نقشِ
حیاتِ امام علیؑ بن موسیٰ الرضاؑ

ولادت: ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۸ھ
شہادت: ۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ھ

نقشِ زندگانی امام علی رضا علیہ السلام

ماہ ذی قعدہ ۱۴۸ھ کی گیارہویں تاریخ تھی جب مدینہ منورہ میں پیغمبر اسلامؐ کے آٹھویں وارث اور سلسلۂ امامت کے آٹھویں امام کی ولادت باسعادت ہوئی اگرچہ بعض روایات میں ۱۱ ذی الحجہ ۱۵۳ھ ہے۔

- والد بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب نجمہ خاتون جن کے بارے میں مرسل اعظمؐ نے خواب میں جناب حمیدہ خاتون کو نصیحت فرمائی تھی کہ نجمہ کا رشتہ میرے فرزند موسیٰ کاظمؑ سے کردو۔ اور خود ان کا بیان ہے کہ میں خواب میں اپنے شکم میں تسبیح و تہلیل کی آوازیں سُنا کرتی تھی۔ مجھے حمل میں کسی طرح کی گرانی کا احساس نہیں ہوا اور ولادت کے بعد میرے فرزند نے رُخ آسمان کی طرف کرکے زیر لب کچھ فقرات کہے جو میں نہ سمجھ سکی اور امام موسیٰ کاظمؑ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند حجت خدا ہے۔

- امام موسیٰ کاظمؑ نے کان میں اذان واقامت کہی اور عقیقہ کا اہتمام کیا کہ امام ختنہ شدہ پیدا ہوتا ہے۔

- جناب نجمہ کے اسمائے گرامی مختلف حالات و روایات یا زبانوں کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ تُکتَم، اروی، سَکَن، سمانہ، ام البنین، خیزران، صَقر، شقراء۔ اور امام علی رضاؑ کی ولادت کے بعد سے انھیں طاہرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

- امام رضاؑ کا اسم گرامی علیؑ، کنیت ابوالحسن اور القاب صابر، فاضل، رضی، وفی، قرۃ عین المومنین، غیظ الملحدین وغیرہ تھے لیکن سب سے زیادہ مشہور لقب رضا ہے جو آپ کو آپ کے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰؐ عطا فرما کر گئے تھے یہ اور بات ہے کہ جب دنیا نے آپ کی حکومت کو پسند کر لیا تو اس لقب کی شہرت زیادہ ہوگئی اور اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ خدا کے پسندیدہ بندہ کو ایک نہ ایک دن

اہل دنیا کو پسند کرنا ہی پڑتا ہے چاہے وہ علی مرتضیٰؑ کی شکل میں ہو یا علی رضاؑ کی شکل میں۔

● آپ کی ولادت سے تقریباً ۱۵ دن قبل آپ کے جد بزرگوار امام جعفر صادقؑ کا انتقال ہوگیا تھا جن کی آرزو تھی کہ اپنے اس فرزند کو دیکھ لیتے جیسا کہ آپ نے اپنے فرزند امام موسیٰ کاظمؑ سے فرمایا تھا کہ عنقریب تمھارے یہاں ایک فرزند پیدا ہونے والا ہے جو عالم آل محمدؐ ہوگا کاش! میں اس کے زمانے کو درک کرلیتا۔

● آپ کے دور کے سلاطین میں وقت ولادت منصور دوانیقی کی حکومت تھی۔ ۱۵۸ھ سے مہدی عباسی کا دور شروع ہوا۔ ۱۶۹ھ میں ہادی تخت نشین ہوا اور ۱۷۰ھ سے ہارون کی حکومت کا آغاز ہوا۔ ۱۹۴ھ میں امین تخت نشین ہوا اور ۱۹۸ھ سے مامون کی سلطنت کا آغاز ہوگیا۔ اسی ظالم نے ۲۰۳ھ میں حضرت کو زہر دے کر شہید کرادیا۔

منصور، مہدی، ہادی اور ہارون کا تعارف کرایا جاچکا ہے۔ امین و مامون ہارون رشید کے دو فرزند تھے۔ ایک عرب عورت سے تھا امین۔ اور ایک عجمی کنیز سے تھا مامون۔ امین انتہائی عیاش، بدقماش اور اوباش تھا اور مامون قدرے ہوشیار، علم دوست اور باہنر تھا لیکن عجمی ماں کی وجہ سے عرب اسے ولی عہد ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہارون امین کو جانشین بنانا نہیں چاہتا تھا کہ اس میں سلطنت کی تباہی اور بربادی کا خطرہ ہے لیکن قبائل کے دباؤ سے مجبور ہوکر سلطنت کو دو حصوں پر تقسیم کردیا۔ شام، حجاز اور یمن کے عربی علاقے امین کو دے دیے اور ایران، خراسان اور ترکستان کا علاقہ مامون کو دے دیا اور اس طرح ایک مصیبت سے تو نجات مل گئی لیکن دوسری مصیبت یہ آئی کہ دونوں فرزندوں نے اپنی اپنی حکومت سنبھال لی اور باپ لاوارث ہوکر رہ گیا۔ خلیفۃ المسلمین ہونے کے باوجود بیٹوں کے رحم و کرم پر زندگی گذار رہا تھا اور وہ انتہائی معمولی غذا، معمولی لباس اور معمولی سواری پر زندگی گذارنا چاہتے تھے تاکہ دوبارہ اقتدار کا حوصلہ نہ پیدا ہوجائے اور حکومت واپس نہ ہوجائے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ غاصبانہ حکومت اور بے دین طرز اقتدار کا آخری انجام یہی ہوتا ہے اور اتنی سزا تو پروردگار ظالم حکمرانوں کو دنیا ہی میں دے دیتا ہے تاکہ انھیں آخرت کے انجام کا بھی اندازہ ہوجائے اور خود اپنے حالات سے بھی عبرت حاصل کرسکیں۔

● باپ کی زندگی سے شروع ہونے والی رسہ کشی اس کے مرتے ہی منظر عام پر آگئی اور دونوں

بھائیوں کو فکر پیدا ہوگئی کہ پورے عالم اسلام پر بلا شرکت غیرے اقتدار قائم کرلیں۔ چنانچہ ایک طرف سے عرب کی حمایت اور دوسری طرف سے عجم کی حمایت کا زور شروع ہوا اور آخر کار فریقین میں جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہوگیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عجمی فوج غالب آئی اور عرب شہزادے کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور ایک مرتبہ پھر واضح ہوگیا کہ غیر اسلامی نظام میں نہ اخوت ہوتی ہے نہ ہمدردی، نہ قانون ہوتا ہے نہ قاعدہ۔

کس قدر فرق ہے اس دنیاداری میں اور اُس دین داری میں کہ دنیاداروں کے دو بھائی ایک چھوٹے سے ملک میں متحد نہ رہ سکے اور قتل و خون کی نوبت آگئی اور دین کے ذمہ داروں میں دو بھائی ملک عظیم یعنی جنت کے سردار بنا دیے گئے اور کسی طرح کا کوئی اختلاف نہ پیدا ہوسکا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ زمام حکومت سنبھالنے والوں کا کردار اور ہوتا ہے اور زلف رسولؐ سنبھالنے والوں کا طریقہ کار اور ــــ

۱۸۳ھ تک اپنی زندگی کے ۳۰ یا ۳۵ سال والد گرامی کے زیر سایہ گزارے اور حالات کا برابر جائزہ لیتے رہے جس میں طویل سلسلہ قید و بند بھی شامل تھا اور شدید ترین سرکاری دباؤ بھی تھا یہاں تک کہ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے زہر دے دیا گیا اور اسی انداز سے قید خانہ سے جنازہ نکالا گیا۔ بغداد کے پُل پر امام الرافضہ کہہ کر جنازہ کو رکھ دیا گیا اور حمالوں کے ذریعہ جنازہ اٹھوا کر توہین و تحقیر کی آخری حسرت بھی نکال لی گئی۔

ظاہر ہے کہ اس دور میں امام رضاؑ نے مصائب کے ساتھ باپ کے طرز عمل کا بھی مشاہدہ کیا اور یہ دیکھتے رہے کہ اسلامی نظام کی ترویج میں کیا طریقہ کار اختیار کیا جارہا ہے اور کس حکمت الٰہیہ سے کام لیا جارہا ہے۔ حکومت کے اعمال کی طرف سے غافل ہوجانا شان ہدایت کے خلاف ہے اور حکومت سے سیدھی ٹکر لینا بلا فائدہ قتل کو دعوت دینا ہے اور اپنی خاموشی سے حکومت کو تائید حاصل کرنے کا موقع دینا بھی باعث مواخذہ ہے ــــ امام موسیٰ کاظمؑ نے ایک درمیانی روش اختیار کی اور اپنے اصحاب میں سے بعض کو دربار میں وزیر مقرر کرایا تاکہ حکومت کے عزائم کی نگرانی ہوتی رہے اور چاہنے والوں کے جان و مال و آبرو کا تحفظ کیا جاسکے اور بعض کو اس قدر برات اور بیزاری کا درس دیا کہ اگر بادشاہ وقت کو اونٹ کرایہ پر دینے کے بعد یہ آرزو بھی پیدا ہوجائے کہ بادشاہ زندہ رہے اور کرایہ مل جائے تو یہ آرزو انسان کو ظالموں کے مددگاروں میں شامل کردیتی ہے جس کا کھلا ہوا مفہوم یہ تھا کہ علی بن یقطین وزیر ہونے کے بعد بھی بادشاہ کی حیات کی آرزو نہیں کرسکتے تھے اور ان کے ذہن میں

اس قدر صلاحیت تھی کہ کرسی کی پرواہ کیے بغیر کام کر سکیں تو انھیں وزارت تک کا کام سپرد کر دیا گیا اور اس قدر درباری تقرب کی اجازت دے دی گئی اور صفوان جمال کے دل و دماغ میں اس قدر صلاحیت نہیں تھی تو ان کے لیے مصلحت یہی تھی کہ حکومتی نظام سے دور رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کرایہ کی خاطر سلاطین جور کی حیات کی آرزو پیدا ہو جائے اور عاقبت تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔

اس کے علاوہ خود ہارون کو بھی مختصر خط کے ذریعہ تنبیہ فرمائی کہ ہر گذرنے والا دن تیری راحت کے دن کم کر رہا ہے اور میری مصیبت کے دن کم کر رہا ہے، اس کے بعد دونوں کو عادل حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا انجام دیکھنا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ تھا کہ ہم بیزار ہونے کے بعد بھی اپنے فریضۂ ہدایت سے غافل نہیں ہے اور آخر سانس تک ظالموں کو ان کے انجام سے اسی طرح باخبر رکھنا چاہتے ہیں جس طرح مولائے کائنات نے ابن ملجم کو بیدار کر کے نماز کی دعوت دی تھی حالانکہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ ابن ملجم جیسے افراد کی نماز کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

انھیں حالات میں آپ نے ۳۰ یا ۳۵ سال کی عمر میں قیادت امت کی ذمہ داری سنبھالی اور یہ چاہا کہ اس کردار کو زندہ رکھا جائے جس کی مثال والد بزرگوار نے پیش کی ہے تاکہ کسی شخص کو یہ وہم و گمان نہ پیدا ہونے پائے کہ باپ کے مصائب و آلام کو دیکھ کر زندگی کی روش تبدیل کر دی ہے اور حکومت سے کسی طرح کی سازش قبول کر لی ہے۔ چنانچہ ۱۸۳ھ سے تقریباً ۱۰ سال تک اسی انداز پر گذارے جس طرح کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی زندگی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ امام کو قیدخانہ میں زہر دے کر شہید کر دینے اور آپ کے جنازہ کی بے حرمتی نے ہارون کے خلاف ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ اب اس میں مزید ظلم کرنے کی طاقت نہ رہ گئی تھی ــــ اور اُدھر داخلی حالات نے بھی اسے حکومت تقسیم کر کے لاوارث اور بے بس ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا جس کی بنا پر امام رضاؑ کا یہ دور قدرے سکون سے گذر گیا اور آپ کو ان مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑا جن مصائب سے آپ کے والد بزرگوار کو گذرنا پڑا تھا ــــ اور یہ آل محمدؐ کی تاریخ حیات کا عجیب و غریب سانحہ ہے کہ ہر امامؑ کو پہلے والے امامؑ کے مقابلہ میں تقریباً مختلف بلکہ متضاد حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس کا سب سے بڑا راز یہی تھا کہ حکومت ایک حربہ کو آزمانے کے بعد ناکام ہو جاتی تھی تو وہ حربہ تبدیل کر دیتی تھی اور بعد والے امامؑ کو بالکل نئے قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مثال کے طور پر معاویہ بن ابی سفیان نے مولائے کائنات سے صفین کے میدان میں انتہائی خوں ریز قسم کی جنگ

کی اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ معاویہ نے امام حسنؑ سے صلح کی، اور یزید امام حسینؑ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

یزید نے خود جانتا ان بنی ہاشم کے درمیان رہنے والے امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا اور کربلا کا عظیم سانحہ پیش آیا اور قیدیوں اور لاوارثوں کے درمیان رہنے والے طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے امام زین العابدینؑ سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا۔

امام زین العابدینؑ کی زندگی خاموشی، گوشہ نشینی اور عبادت میں گذر گئی اور امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کو میدان میں آکر کھل کر کام کرنا پڑا۔ امام جعفر صادقؑ نے اتنا کھل کر کام کیا کہ سارا مذہب مذہب جعفری ہو گیا اور امام موسیٰ کاظمؑ کو تقریباً ۱۴ سال قیدخانہ میں رہنا پڑا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت بھی قیدخانہ میں ہوئی جب کہ آپ کا جسم زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور امام علی رضاؑ کو ولی عہد مملکت بنا دیا گیا۔ امام علی رضاؑ ولی عہد مملکت رہے اور امام محمد تقیؑ کو کوئی عہدہ نہ ملا اور انھیں دارالحکومت سے مدینہ جانا پڑا۔ امام محمد تقیؑ سرکاری داماد قرار دیے گئے اور امام علی نقیؑ قیدخانوں میں رہے۔

غرض تاریخ کا یہ متضاد سلسلہ اس امر کی واضح علامت ہے کہ حکومت وقت کو مسلسل اپنی شکست کا احساس تھا اور اس کے نتیجہ میں خود وہی حاکم وقت یا اُس کا وارث اپنی روش کو فوراً تبدیل کر دیتا تھا اور آل محمدؐ کو ایک نئی سیاسی چال کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ جس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آل محمدؐ کے پاس تقلیدی قسم کے وسائل یا وراثتی قسم کے اسالیب حیات نہیں تھے اور نہ وہ سابقہ تعلیم و تربیت کی بنا پر کام کیا کرتے تھے بلکہ وہ مرکز الہام و القائے خداوندی تھے اور اسی کے سہارے تمام جدید ترین اسالیب ظلم و ستم اور طریقہ ہائے مکر و فریب کا بآسانی مقابلہ کرتے رہتے تھے اور انھیں کسی طرح کی کوئی زحمت نہیں ہوتی تھی۔

امام علی رضاؑ کو اس سلسلہ کے سب سے پہلے ظلم کا اس انداز سے سامنا کرنا پڑا کہ ہارون نے محمد بن جعفرؑ کے قیام کا بہانہ لے کر تمام سادات کے گھروں کی تباہی کا حکم دے دیا اور عیسیٰ جلودی نے لشکر یزید کی یاد تازہ کرا دی۔ مدینہ کی غارت گری کے دوران امام رضاؑ کے گھر کا بھی رُخ کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ نامحرم نہ گھر میں داخل ہو سکتے ہیں اور نہ خواتین کے جسم کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ میں

سارا سامان اور زیور خود ہی لاکر دیئے دیتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے جسم پر رہنے والے لباس کے علاوہ گھر کا سارا سامان لاکر دے دیا اور ظالم اس غارت گری پر خوش ہو گئے اور اسے اپنی فتح قرار دینے لگے۔

آپ کے طرزِ حیات کے بارے میں شیخ صدوقؒ نے ابراہیم بن عباش سے نقل کیا ہے کہ آپ کو کبھی تند کلامی کرتے دیکھا گیا ہے اور نہ کسی کی بات کو کاٹتے دیکھا گیا ہے۔ ہر شخص کی حاجت روائی آپ کا فرض تھا۔ کسی کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ کسی کے سامنے ٹیک لگا کر نہیں بیٹھتے تھے غلاموں کے ساتھ بھی سختی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے، بلند آواز سے قہقہہ نہیں لگاتے تھے، دسترخوان پر اپنے ساتھ تمام نوکروں اور غلاموں کو بھی بٹھلا لیا کرتے تھے۔ راتوں کو کم سوتے تھے اور اکثر راتوں میں شب بیداری فرماتے تھے۔ ہر مہینہ میں پہلی اور آخری جمعرات اور درمیانی بدھ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ رات کی تاریکی میں صدقات اور خیرات عطا فرمایا کرتے تھے۔ اندر معمولی کپڑا پہنتے تھے اور باہر کبھی کبھی ضرورت کے اعتبار سے اچھا لباس زیب تن فرما لیا کرتے تھے۔

● ایک شخص نے حمام میں آپ سے بدن ملنے کا مطالبہ کر دیا تو آپ نے فوراً قبول کر لیا اور درمیان میں کسی شخص کی نظر پڑ گئی اور اس نے متوجہ کیا تو وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور آپ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں ہے انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ (نور الابصار)

● کھانے کے وقت اگر کوئی شخص تعظیم کے لیے اٹھنا چاہتا تھا تو منع فرما دیتے تھے کہ رزقِ خدا کا احترام ضروری ہے، کھانے کے وقت قیام نہیں کرنا چاہیے۔

● آپ کے خادم یاسر کا بیان ہے کہ ہم لوگ میوہ کھاتے وقت ایک حصہ کھاتے تھے اور ایک حصہ پھینک دیتے تھے تو آپ نے تنبیہ کی کہ رزقِ خدا کو ضائع مت کرو، جو ضرورت سے زیادہ ہو اسے فقرا، اور مستحقین کے حوالے کر دو۔

● عطریات اور خوشبو کا بڑا شوق رکھتے تھے اور سجدہ پروردگار آپ کا شعار تھا جس کا سلسلہ نمازِ صبح کے بعد سے ظہر تک بھی قائم رہ جاتا تھا۔

● اپنے شیعوں کو متنبہ فرمایا کرتے تھے کہ تمام اعمال ہر روز شام کے وقت تمہارے امام کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور وہ تمہارے حق میں استغفار کرتے ہیں۔ (لہٰذا تم اپنے گناہوں سے ان کا دل مت

دکھاؤ اور ایسے بن جاؤ جیسے کہ ان کے شیعوں کو ہونا چاہیے)۔

● ایک مرتبہ آپ نے روزِ عرفہ ۹ ذی الحجہ کو گھر کا سارا سامان راہِ خدا میں لٹا دیا اور فضل بن سہل کو یہ دیکھ کر خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس طرح کا کام ہم لوگ انجام نہیں دے سکتے ہیں تو فوراً اعتراض کر دیا کہ یہ تو ایک قسم کا خسارہ ہے۔ فرمایا کہ یہ خسارہ نہیں ہے بلکہ فائدہ ہے۔ رب کریم ایک کے بدلے میں دس عطا کرنے والا ہے۔

طبّ الرّضاؑ

دیگر علوم و کمالات کے علاوہ علم الابدان کے بارے میں بھی آپ کے ہدایات ہر دور میں صحت و عافیت کے بہترین نسخہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی بنا پر آپ کے چند طبی ارشادات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

● ماں کے دودھ سے بہتر بچہ کی کوئی غذا نہیں ہے۔

● سرکہ بہترین غذا ہے۔ جس گھر میں سرکہ ہوگا اس کے اہل خانہ کبھی محتاج نہ ہوں گے۔

● انار میں ایک دانہ جنت کا ہوتا ہے۔

منقی صفرا کو درست کرتا ہے، بلغم کو دور کرتا ہے، پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے اور نفس کو پاکیزہ بناتا ہے۔

● شہد میں شفا ہے اور شہد کا تحفہ واپس نہیں کرنا چاہیے۔

● گلاب جنت کے پھولوں کا سردار ہے۔

● بنفشہ کا تیل سر میں لگانے سے گرمیوں میں ٹھنڈک اور سردیوں میں گرمی کا فائدہ ہوتا ہے۔

● زیتون کا تیل استعمال کرنے والا چالیس دن تک شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

● قرآن پڑھنے، شہد کھانے اور دودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے۔

● گوشت کھانے سے شفا حاصل ہوتی ہے اور مرض دور ہوتا ہے۔ جو شخص چالیس دن گوشت نہ کھائے وہ بد اخلاق ہو جائے گا۔

● کھانے کی ابتدا نمک سے ہونی چاہیے اس سے ستّر امراض کا دفعیہ ہو جاتا ہے جن میں

جذام بھی شامل ہے۔

● سورۂ نساء انبیاء کی غذا ہے۔ اس سے دل نرم ہوتا ہے اور آنسو پیدا ہوتے ہیں۔

● کھانا ٹھنڈا کر کے اور پیالے کے کنارے سے کھانا چاہیے۔

● اچھا کھانا، اچھا جوتہ پہننا، قرض سے بچنا، کثرتِ جماع سے پرہیز کرنا مفید ہوتا ہے۔

● خدا سے روزی صدقہ دے کر طلب کرو۔

● بالوں کی سفیدی کا اگلے حصہ سے شروع ہونا سعادت مندی اور اقبال مندی کی علامت ہے اور رخساروں سے شروع ہونا سخاوت کی نشانی ہے، اور گیسوؤں سے شروع ہونا شجاعت ہے اور گدّی سے شروع ہونا نحوست ہے۔

اعترافات

● آپ تمام لوگوں میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے۔ (ابن حجر)

● آپ کی باتیں حکیمانہ، آپ کا عمل درست اور آپ کا کردار محفوظ عن الخطاء تھا۔ علم و حکمت میں کامل اور روئے زمین پر بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ (عبدالرحمٰن جامی)

● ابراہیم بن عباس کے بیان کے مطابق ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا گیا۔ (علامہ عبیداللہ امرتسری)

● آپ اشرف مخلوقاتِ زمانہ تھے۔ (حبیب السیر)

● آپ کو وراثت میں علم ماکان ومایکون عطا ہوا تھا۔ (وسیلۃ النجاۃ)

● آپ ہر زبان اور ہر لغت میں داناترین مردم تھے اور ہر شخص کو اس کی زبان میں جواب دیا کرتے تھے۔ (روضۃ الاحباب)

● آپ بارہ اماموں میں تیسرے علیؑ تھے۔ کامل الایمان اور عظیم الشان، انتہائی کریم۔۔۔ اور صاحب فضائل و مناقب، آپ کے براہینِ شرف و امامت انتہائی روشن تھے۔ (مطالب السئول)

● آپ کے کمالات کے لیے یہی کافی ہے کہ مامون رشید جو ایک علم دوست انسان کہا جاتا ہے اور جس کا دربار اہل علم و فضل کا مرکز تھا۔ اس نے آپ کو صرف ولی عہدی نہیں بلکہ پوری سلطنت کی پیش کش کر دی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

● مامون کے دربار میں جس قدر بھی مناظرے ہوئے ہیں سب میں علماء یہود و نصاریٰ اور ملحد، بے دین و دہریہ قسم کے دانشوروں نے آپ کے بے پناہ علم و فضل کا اقرار کیا ہے۔

● محمد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے آپ کے تحریری جوابات کو جمع کیا تو ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔

● جاثلیق نصرانی عالم تھا۔ ہر مسلمان سے یہ کہتا تھا کہ عیسیٰؑ کی شخصیت اتفاقی ہے اور تمہارے رسولؐ کی شخصیت اختلافی ہے۔ لہٰذا اتفاقی کو لے لیا جائے اور اختلافی کو چھوڑ دیا جائے۔ مسلمان عاجز تھے لیکن آپ کے سامنے یہ دلیل آئی تو آپ نے فرمایا کہ اتفاق اُس عیسیٰؑ پر ہے جو ہمارے رسولؐ کی بشارت دینے آئے تھے اور بندگی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی آخری رسول یا خدا قسم کے عیسیٰ ہیں تو ان کی شخصیت ہم مسلمانوں کو تسلیم نہیں ہے۔

کرامات

● حج کے موقع پر ہارون حضرت کو دیکھ کر دوسرے دروازہ کی طرف جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ لاکھ دور بھاگے قبریں ایک ہی جگہ پر ہوں گی جو بالآخر ہو کر رہیں۔

● ایک شخص خراسان کے ارادہ سے نکلا، اس کی لڑکی نے ایک حلہ دیا کہ اسے فروخت کر کے فیروزہ خرید لینا۔ راستہ میں مقام مرو پر امامؑ کے ایک دوست کا انتقال ہو گیا۔ آپؑ نے کفن کے لیے کپڑا طلب کیا۔ اس نے انکار کر دیا کہ میرے پاس کپڑا نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ تیری لڑکی نے ایک حلہ تجھے دیا ہے۔ اس نے اقرار کر لیا اور حلہ دے دیا اور پھر یہ سوچا کہ یہ صاحب کرامات ہیں، ان سے مسائل دریافت کیے جائیں۔ چنانچہ قریب آیا تو مجمع لگا ہوا تھا۔ منتظر کھڑا رہا۔ آپ نے ایک لفافہ عنایت فرما دیا کہ اس میں تیرے سوالات کے جوابات ہیں۔

● ریان بن صلت آپ کی خدمت میں ایک جامہ اور چند سکّے مانگنے آئے جن پر آپ کا اسم گرامی کندہ ہو تو آپ نے سوال سے پہلے دو جامے اور تیس سکّے عنایت فرما دیے۔

● ابو اسماعیل نے شکایت کی کہ مجھے عربی زبان نہیں آتی ہے تو آپ نے لبوں پر دست مبارک پھیر کر اسے عربی میں گویا بنا دیا۔

● جعفر بن صالح سے فرمایا کہ تیرے یہاں جوڑواں بچے پیدا ہوں گے تو لڑکے کا نام علی اور لڑکی کا نام ام عمر رکھنا۔ اس کے یہاں ولادت ہوگئی تو اپنی ماں سے کہا کہ حضرت نے یہ نام تجویز فرمایا ہے لیکن ام عمر عجیب نام ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تمھاری دادی کا نام ہے اور حضرت نے انھیں کے نام پر نام رکھ دیا ہے۔

● امین اور مامون کو دیکھنے کے بعد فرمایا کہ عنقریب مامون امین کو قتل کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

● ایک شخص نے حج کے بارے میں بہت سے سوالات کیے تو آپ نے سب کے جوابات دینے کے بعد فرمایا کہ تم جس لباس کے بارے میں پوچھنا بھول گئے تھے اس میں احرام درست ہے۔

● چڑیوں کے ایک جھنڈ نے شور مچانا شروع کیا تو آپ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ ایک سانپ ان کے بچوں کو اذیت دے رہا ہے جاؤ اسے قتل کر دو۔ انھوں نے جا کر سانپ کو دیکھا اور اسے ختم کر دیا۔ (شواہد النبوۃ)

● ایک زمینداری کے علاقہ کی طرف جاتے ہوئے اصحاب کو حکم دیا کہ بارش کا سامان لے لیں۔ لوگوں نے عرض کی کہ آجکل تو گرمی کا زمانہ ہے بارش کہاں ہے؟ فرمایا کہ میری بات پر عمل کرو۔ چنانچہ لوگوں نے عمل کیا اور وہاں پہونچتے ہی بارش شروع ہوگئی۔ (اعلام الوریٰ)

● محمد بن عیسیٰ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرمؐ میرے شہر کی مسجد میں تشریف فرما ہیں اور میں نے ان کی خدمت میں حاضری دی تو ان کے سامنے خرمہ کا ایک طشت رکھا تھا۔ میں نے خرمے طلب کیے تو آپ نے ایک مٹھی خرمے دے دیے جن کی تعداد اٹھارہ تھی۔ میں سمجھا کہ اب میری زندگی میں ۱۸ سال باقی رہ گئے ہیں۔ چند روز کے بعد خبر ملی کہ امام رضاؑ تشریف لائے ہیں۔ میں اشتیاق ملاقات میں وارد مسجد ہوا تو بعینہ ایسا ہی منظر دیکھا اور حضرت سے خرمہ کا مطالبہ کیا۔ آپ نے ایک مٹھی خرمے دے دیے جن کی تعداد اٹھارہ تھی تو مجھے سخت حیرت ہوئی اور میں نے عرض کی یابن رسول اللہ! کچھ اور عنایت فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ نے زیادہ دیے ہوتے تو۔۔ میں بھی زیادہ عنایت کر دیتا جس کو دیکھ کر ابن عیسیٰ اور حیرت زدہ رہ گئے اور نبوت و امامت کا اتحاد عمل و کردار منظر عام پر آ گیا۔ (صواعق محرقہ۔ نور الابصار۔ ارجح المطالب)

نقش انگشتر

آپ کے پاس دو انگشتریاں تھیں۔ ایک ذاتی تھی جس کا نقش تھا "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ"۔ اور دوسری وراثت میں ملی تھی جس کا نقش تھا "حسبی اللہ"۔

عزاداری

یہ ایک تاریخی بات ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے حالات زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے طرز تبلیغ کو ہمیشہ زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھا ہے اور ان کا اصول تبلیغ یہی تھا کہ بات کو حالات کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ بے اثر ہو جائے گی بلکہ بسا اوقات مضر اور نقصان دہ بھی ثابت ہوگی جیسا کہ ان حضرات کے ارشادات میں تقیہ پر زور دینے اور اسے اپنا اور اپنے آبا و اجداد کا دین قرار دینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ انھیں حالات کا تقاضا تھا کہ کبھی خطبہ کی زبان اختیار کی اور کبھی دعا کی۔ واقعہ کربلا کے بعد تبلیغ کی ایک اور زبان ایجاد ہوگئی جس کا نام تھا عزاداری۔

عزاداری درحقیقت ائمہ معصومینؑ کے تبلیغی مشن کے ایک انتہائی محتاط عنصر کا نام تھا جہاں بظاہر اپنے حالات اور اپنے گھر والوں پر گذرنے والے مصائب پر گریہ کیا جاتا تھا، جس سے عام طور پر ہر شخص کو ہمدردی ہو جاتی ہے اور کوئی شخص اس کی مخالفت نہیں کرتا ہے لیکن پھر اس کے زیر اثر دین کے اس عظیم پیغام کو نشر کیا جاتا ہے جس کے نشر کرنے ہی کے نتیجہ میں یہ حالات پیش آئے تھے۔ یعنی شہادت کے قبل اور شہادت کے بعد تبلیغ دین کا سلسلہ ایک ہی رہتا ہے صرف اس کا عنوان اور اس کی زبان بدل جاتی ہے۔ چنانچہ امام سجادؑ سے لے کر آخری امام تک جب کسی قدر حالات نے اجازت دی ائمہ معصومینؑ نے تبلیغ دین کے اس عنصر پر زور دیا اور فرش عزا بچھا کر ایک طرف تو لوگوں کو اس سبب کے تلاش کرنے کا جذبہ دیا جس کے باعث یہ حالات اور مصائب پیش آئے تھے اور اس طرح اس دین تک پہونچنے کا موقع فراہم کیا جس کی تبلیغ کے لیے یہ مصائب برداشت کیے گئے تھے اور دوسری طرف ذکر مصائب کے ذیل میں ان تبلیغات کا بھی انتظام کیا گیا جو ائمہ طاہرینؑ کی زندگی اور ان کے منصب کا لائحہ عمل اور نصب العین تھا جس کا ایک پرتو آج تک

مشاہدہ میں آرہا ہے کہ فرشِ عزا کے طفیل میں تفسیر، حدیث، تاریخ، احکام، عقائد سب کا تذکرہ ہوجاتا ہے اور عنوان عزاداری ہی رہتا ہے۔ حالانکہ عزاداری کا حرفی مفہوم تو صرف غم منانا اور سامان صبر وسکون فراہم کرنا ہے جس سے ان مسائل کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ عام مصائب کے موقع پر تو کوئی ان باتوں کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا ہے جیسا کہ خود عزاداری کے بعض مواقع پر ایسا انداز دیکھنے میں آتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ اور امام علی رضاؑ کا دور قدرے فرصت اور مہلت کا دور تھا لہٰذا ان حضرات نے اس تبلیغی عنصر کو بھی کافی فروغ دیا، فرش عزا بچھایا، لوگوں کو جمع کیا، شاعر یا خطیب سے ذکر مصائب کا مطالبہ کیا اور سامعین کو بلند آواز سے گریہ کرنے پر زور دیا تاکہ ذکر مصائب عام ہو اور لوگ اس کی بنیادیں تلاش کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

امام علی رضاؑ کے دربار میں ابو علی دعبل بن علی بن رزین خزاعی حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کی ولی عہدی کا دور ہے۔ مرو میں آپ کا قیام ہے۔ دعبل نے قصیدہ پیش کرنے کی خواہش کی۔ امامؑ نے فرش بچھوادیا۔ پس پردہ خواتین کو طلب کرلیا اور اس کے بعد دعبل سے قصیدہ سنانے کی فرمائش کی۔ دعبل نے پورا قصیدہ سُنادیا تو آپ نے ایک شعر کے اضافہ کی خواہش فرمائی اور اس میں خود اپنی شہادت کا ذکر فرمایا اور قبر کی طرف اشارہ فرمایا۔ دعبل نے عرض کی کہ مولا! یہ کس کا ذکر ہے؟ فرمایا کہ یہ میری شہادت اور میری قبر کی طرف اشارہ ہے۔ (شواہد النبوۃ)

اس کے علاوہ آغاز محرم کے ساتھ ہی سوگواری کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا اور اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی بات پر بھی رونا آئے تو میرے جد بزرگوار پر آنسو بہاؤ اس لیے کہ انھیں بھوکا پیاسا شہید کیا گیا ہے۔ ان تمام الفاظ اور کلمات سے امت اسلامیہ کو ان حالات کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے جن کے پیش نظر یہ عظیم واقعہ پیش آیا تھا اور جس واقعہ نے اسلام کو بقا کی ضمانت فراہم کی تھی۔

واضح رہے کہ اس واقعہ کے بعد امامؑ نے دعبل کو ایک سو اشرفی کا انعام بھی عطا فرمایا۔ جس پر حضرت کا اسم گرامی کندہ تھا کہ خدمت اہلبیتؑ کا مطلب مفت کام کرنا نہیں ہے۔ خدمت کرنا امت کا کام ہے اور انعام دینا اہلبیتؑ کی اپنی ذمہ داری ہے۔ دعبل نے معذرت کی کہ میں نے یہ قصیدہ درباری کے عنوان سے نہیں لکھا ہے بلکہ اخلاص محبت کی بنا پر لکھا ہے۔ فرمایا اسکا

اجر الگ ہے۔ دعبل نے ایک جبہ کا مطالبہ کیا جو آپ نے عنایت فرمادیا اور جب راستہ میں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو اسی جبہ کی برکت سے سارے قافلہ کو نجات مل گئی بلکہ ان ڈاکوؤں نے باصرار تمام اس جبہ کو ایک ہزار دینار میں خرید لیا کہ یہ امام رضاؑ کا عطا کیا ہوا ہے۔

شہادت

۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ھ کو مامون نے زہر دلوا کر حضرت کو شہید کرادیا جس کے بارے میں آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہی شخص قتل کرے گا (دمعہ ساکبہ) اور پھر اس کی تفصیل بھی بیان فرمائی تھی اور اس دن بھی جس دن مامون نے طلب کیا تھا ابو الصلت سے فرمادیا تھا کہ اگر میرے سر پر چادر ہو تو مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا اور سمجھ لینا کہ میری زندگی کا آخری وقت آگیا ہے۔ حضرت دربار میں تشریف لے گئے۔ مامون نے زہر آلود انگور جنھیں سوئی کے ذریعہ زہر میں بجھایا گیا تھا پیش کیے۔ آپ نے انکار فرمایا جو حفاظت خود اختیاری کا بنیادی فریضہ تھا۔ اس نے اصرار کیا کہ اس سے بہتر انگور آپ کو نہیں ملیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں اس سے اچھے انگور ہیں۔ اس نے اصرار کیا کہ آپ کو میری نیت پر شبہ ہے؟ آپ نے دیکھا کہ اب قتل یقینی ہوگیا ہے اور انکار میں بھی سوء ظن کا مجرم قرار دیا جاؤں گا اس لیے چند دانے نوش فرمالیے اور اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ مامون نے پھر پوچھا کہ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ فرمایا جہاں تو نے بھیجا ہے وہاں جارہا ہوں۔ یہ کہہ کر بیت الشرف میں تشریف لے آئے۔ ابو الصلت نے حالات سے اندازہ کرلیا اور دروازہ پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں اندر سے آہٹ محسوس ہوئی۔ دیکھا کہ امام کے پہلو میں ایک کمسن فرزند موجود ہے۔ پوچھا آپ کس طرف سے آگئے دروازہ تو بند ہے اور آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں ان کا فرزند محمد بن علی ہوں۔ مجھے خدا نے مدینہ سے یہاں پہونچایا ہے اور اسی نے اندر تک پہونچادیا ہے، ہمارے لیے فاصلے اور در و دیوار حائل نہیں ہوتے، ہم اہلبیتؑ میں جب کوئی دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کا وارث اس کے پاس رہتا ہے اور اس سے تمام امانتیں اپنی تحویل میں لے لیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت کا انتقال ہوگیا اور اس شہزادے نے غسل و کفن دے کر نماز ادا کرکے جنازہ تیار کردیا تو کہا کہ اب اعلان کردو۔ چنانچہ اعلان ہوگیا۔ حکومت نے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے سرکاری سوگ کا اعلان

کردیا اور دوبارہ غسل و کفن کے بعد نہایت ہی اہتمام کے ساتھ ہارون کے سرھانے دفن کردیا گیا۔ (شواہد النبوۃ)

علامہ شبلی نے اس امر میں شبہ ظاہر کیا ہے کہ آپ کو مامون نے زہر دیا ہو کہ یہ مامون کے مزاج اور اس کی علم دوستی کے خلاف ہے۔ حالانکہ جو شخص اپنے بھائی کو معاف نہیں کر سکتا ہے اس سے امامؑ کے بارے میں کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ مامون کے زہر دینے کا تذکرہ حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے: روضۃ الصفا، شواہد النبوۃ، کامل، مروج الذہب، نور الابصار، الفخری، مطالب السئول، حبیب السیر، الانساب سمعانی، تہذیب تہذیب الکمال، مختصر اخبار الخلفاء وغیرہ جس کے بعد یہ کہنا انتہائی زیادتی ہے کہ مامون کے زہر دینے کا تذکرہ علماء اہلسنت کی کتابوں میں نہیں ہے اور یہ صرف شیعوں کی طبع زاد روایت ہے جو مامون کی عداوت میں وضع کی گئی ہے۔

پھر اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مامون نے زہر دینے کا انتظام نہیں کیا ہے تو سوال یہ پیدا ہے کہ ایک ولی عہد مملکت اور سرکاری داماد کے زہر دغا سے شہید ہونے کے بعد مامون نے سرکاری طور پر قاتلوں کا پتہ لگانے اور انھیں سزا دینے کا کیا انتظام کیا اور تاریخ میں آج تک ان قاتلوں کا سراغ کیوں نہیں مل سکا؟ بنی امیہ تو ایک عثمانؓ کے قتل پر متعدد بار امیر المومنین علیہ السلام کو مورد الزام قرار دے کر ان سے جنگ کریں اور بنی عباس کا "خلیفۂ عادل" اپنے ولی عہد مملکت اور داماد کے بارے میں کوئی تحقیق نہ کرے اور صرف تجہیز و تکفین کے ظاہری اور رسمی کاروبار پر مسئلہ کو تمام کردے۔ کیا یہ بات مولانا شبلی کے علاوہ بھی کسی انسان کی عقل میں آسکتی ہے اور کیا اس غفلت یا تغافل کے جرم سے مامون رشید کو معاف کیا جا سکتا ہے اور کیا ایسی غیر رشید حرکت کے بعد بھی مامون کو رشید کہا جا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ بعض روایات میں تاریخ شہادت ۷ ار صفر اور بعض میں آخر صفر بھی ذکر کی گئی ہے لیکن سن شہادت سب نے ۲۰۳ھ ہی ذکر کیا ہے۔

ازواج و اولاد

علماء کے نزدیک آپ کی اولاد کے بارے میں قدرے اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ بعض حضرات نے دو فرزندوں کی نشان دہی کی ہے امام محمد تقیؑ اور موسیٰ اور بعض نے ایک کا اور

اضافہ کیا ہے۔ نور الابصار نے پانچ فرزند اور ایک دختر کا ذکر کیا ہے جن کے اسماء یہ ہیں: امام محمد تقیؑ، حسن، جعفر، ابراہیم، حسین، عائشہ۔ لیکن اس بات پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی نسل کا سلسلہ امام محمد تقیؑ ہی سے آگے بڑھا ہے جس کی بنا پر شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے یہ تصریح کی ہے کہ آپ کے صرف ایک فرزند امام محمد تقیؑ تھے اور بس۔ اور یہی بات شیخ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں درج کی ہے اور صاحب عمدۃ الطالب نے بھی نقل کی ہے۔ جس کے بعد یہ کہنا آسان ہے کہ سادات رضوی درحقیقت امام محمد تقیؑ کی اولاد ہیں لیکن چونکہ امام رضاؑ اپنی ولی عہدی کی بنیاد پر ایک عام شہرت کے مالک تھے اور آپ کے خاندان کے تمام افراد جو دو پشت بعد پیدا ہوئے وہ بھی ابن الرضا ہی کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اس لیے سادات تقوی نے بھی اپنے کو رضوی ہی کہنا شروع کردیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے رضوی، تقوی اور جوادی یہ سب ایک نسل کے افراد ہیں جن کا سلسلہ براہ راست امام محمد تقی جوادؑ سے شروع ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ امام علی رضاؑ تک پہونچتا ہے، اور اس سلسلہ کو امام رضاؑ تک اس لیے بھی پہونچایا جا سکتا ہے کہ جن ائمہ کی دو طرح کی اولاد تھی معصوم اور غیر معصوم، ان کے یہاں غیر معصوم اولاد کی نسل کو اسی امام کی طرف منسوب کیا گیا اور معصوم فرزند کی نسل کو فرزند کی طرف منسوب کیا گیا لیکن امام رضاؑ کی دو طرح کی اولاد نہیں تھی لہٰذا آپ کی تمام نسل کو آپ ہی کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے اور یوں بھی ائمہ طاہرینؑ ایک ہی شجرہ طیبہ کے ثمرات ہیں لہٰذا کسی کی اولاد کو دوسرے بزرگ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے اس میں کسی طرح کی قباحت نہیں ہے۔ سب اولاد رسولؐ اور اولاد زہراؑ ہیں اور سب کا وجود وعدۂ کوثر کی محسوس اور مشاہدہ میں آنے والی تائید ہے جس کے ذریعہ خدا نے اپنے حبیب کو اطمینان دلایا ہے اور جس کا سلسلہ صبح قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

آپ کے ازواج میں صرف ایک زوجہ محترمہ کا ذکر ملتا ہے جن کا نام خیزران تھا اور انھیں سبیکہ بھی کہا جاتا تھا۔ ان کا تذکرہ سرکار دو عالمؐ نے اپنی حدیث میں بھی فرمایا تھا کہ ان کے فرزند پر میری جان قربان۔ ان خاتون کا سب سے بڑا امتیاز ذاتی کمالات کے علاوہ یہ تھا کہ یہ جناب ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں، اور ماریہ قبطیہ سرکار دو عالمؐ کی نگاہ میں ایک محترم زوجہ تھیں، جنھیں جناب ابراہیمؑ کی والدہ بننے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا اور جن کا فرزند امام حسینؑ کا فدیہ قرار پا گیا تھا کہ اس طرح

اس ہستی کو زندہ رکھا جائے جس کی بقا سے دین اسلام کی بقا اور جس کی شہادت سے عقیدۂ توحید کی زندگی وابستہ ہے۔

ایک خصوصیت

امام رضاؑ کے امتیازات میں ایک یہ بات بھی ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے مدینہ چھوڑتے وقت ۱۶ افراد کو جمع کر کے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا اور اس پر ۱۶ افراد سے گواہی حاصل کی تھی جس کا مضمون یہ تھا کہ میرا وارث میرا فرزند علی رضاؑ ہے۔ اس لیے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اب میں مدینہ واپس نہ آؤں گا اور وقت آخر بھی بظاہر میرا فرزند میرے پاس نہ ہوگا کہ میں اس کی جانشینی کا اعلان کر سکوں۔ ایسے واقعہ کی مثال دوسرے ائمہ طاہرینؑ کے حالات میں نہیں ملتی ہے۔

اصحاب و تلامذہ

۱۔ دِعبل بن علی الخزاعی

اپنے وقت کے عظیم ترین شاعر اور ادیب تھے۔ ان کا قصیدہ تاریخ ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام رضاؑ کی شان میں قصیدہ لکھنے کے بعد خراسان کا رُخ کیا کہ سب سے پہلے حضرت کو سُنائیں گے۔ حضرت نے سن کر بے حد تعریف کی اور فرمایا کہ اسے ہر ایک کو مت سُنانا۔ لیکن جب قصیدہ کی شہرت زیادہ ہوئی تو مامون نے دربار میں طلب کر کے قصیدہ کی فرمائش کی۔ دعبل نے اسے ٹال دیا تو اس نے امام رضاؑ کو طلب کر کے آپ سے سفارش کرائی اور دعبل نے امامؑ کے حکم پر قصیدہ سُنا دیا تو مامون نے ۵۰ ہزار درہم انعام دیئے اور امامؑ نے بھی اسی قدر دعبل پر عنایت فرمائی۔ دعبل نے عرض کی کہ مولا! مجھے مال دنیا درکار نہیں ہے مجھے اپنا جبہ عنایت فرما دیجیے جو آخرت میں میرے کام آئے گا۔ آپ نے اسے بھی عنایت فرما دیا اور فرمایا کہ اسے محفوظ رکھنا یہ کبھی کام آئے گا چنانچہ راستہ میں ڈاکوؤں کے حملہ کے وقت وہی جبہ سارے قافلہ کے کام آیا اور اسی کی برکت سے ڈاکوؤں نے سارے قافلہ کا مال واپس کر دیا۔

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ دعبل نے اپنے قصیدہ میں بغداد میں ایک قبر کا ذکر کیا تو

امامؑ نے فرمایا کہ اس میں دو اشعار کا اور اضافہ کر لو تاکہ قصیدہ مکمل ہو جائے اور یہ کہہ کر آپ نے طوس کی قبر کے بارے میں دو شعر ارشاد فرمائے۔ دعبل نے عرض کی مولا! یہ کس کی قبر ہے؟ فرمایا یہ میری قبر کا ذکر ہے اور جو شخص بھی عالم غربت میں میری زیارت کرے گا وہ روز قیامت میرے ساتھ محشور ہوگا۔ اور یہ کہہ کر سو دینار رضوی بھی عنایت فرمائے جن پر حضرت کا اسم گرامی کندہ تھا اور دعبل نے اسے بطور تبرک محفوظ کر لیا۔

۲۔ حسن بن علی بن زیاد الوشار البجلی الکوفی

امام رضاؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے اور ان کے نانا الیاس صیرفی امام صادقؑ کے نمایاں اصحاب میں شمار ہوتے تھے اور انھوں نے وقت آخر امام صادقؑ کی اس روایت کا ذکر کیا تھا کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ جس کے دل میں ہم اہلبیتؑ کی واقعی محبت ہوگی اسے آتش جہنم مَس نہیں کر سکتی ہے۔

شیخ طوسیؒ نے احمد بن محمد بن عیسیٰ قمی سے نقل کیا ہے کہ میں طلب احادیث میں قُم سے کوفہ گیا تو وہاں حسن بن علی بن الوشار سے ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے مطالبہ کیا کہ علاء بن رزین اور ابان بن عثمان کی کتابوں کو روایت کرنے کا اجازہ مرحمت فرمائیے تو انھوں نے کہا کہ پہلے آپ کتابیں نقل کر لیں پھر میں سُن لوں گا تو میں نے کہا کہ آپ ابھی سُنا دیں اس لیے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے تو حسن بن علی بن الوشار نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ لوگوں میں حدیث کا اس قدر شوق ہے تو میں احادیث کا ذخیرہ اکٹھا کر لیتا اس لیے کہ میں نے اسی مسجد کوفہ میں ۹۰۰ ایسے شیوخ کو دیکھا ہے جو امام جعفر صادقؑ کی حدیثیں بیان کر رہے تھے۔

ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ حسن بن علی بن الوشار کو امام رضاؑ کی امامت میں قدرے تردد تھا تو ایک مرتبہ مسائل کا ایک ذخیرہ تیار کر کے حضرت کی خدمت میں بغرض امتحان وارد ہوئے یہ ابھی دروازہ ہی پر تھے کہ ایک خادم نے آکر پوچھا کہ تم میں حسن بن علی بن الوشار کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں ہوں۔ تو خادم نے ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ اس میں تمہارے سوالات کے جوابات موجود ہیں۔ یہ سنا تھا کہ ان کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا اور انھوں نے حضرت کی امامت کا یقین کامل پیدا کر لیا۔

۳۔ حسن بن علی بن فضّال تیمُلی کوفی

امام رضاؑ کے مخصوص اصحاب اور راویان احادیث میں تھے۔ فضل بن شاذان کا بیان ہے کہ میں مسجد میں درس قرأت حاصل کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ کسی ایسے شخص کا تذکرہ کر رہے ہیں جو دامن کوہ میں رہتا ہے اور مسلسل عبادت کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جانورانِ صحرا بھی اس سے اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ اس کے پہلو میں چرتے ہیں اور وہ سجدہ کو اس طرح طول دیتا ہے جیسے کوئی انسان دنیا سے گذر چکا ہو۔ میں حیرت میں تھا کہ ایسا انسان کون ہو سکتا ہے کہ اتنے میں ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور میرے والد نے بڑھ کر استقبال کیا اور نہایت درجہ احترام کا برتاؤ کیا تو اس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ حسن بن علی بن فضال تھے۔ میں نے کہا کہ یہ وہی عابد معروف ہیں؟ ــــــ وہ تو پہاڑ پر رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں آج اُتر کر آئے ہیں اور میرے پاس اکثر آتے رہتے ہیں۔ میرے دل میں ان کا اتنا احترام پیدا ہو گیا کہ میں اکثر ان کے پاس جا کر ابن بکیر وغیرہ کی کتابیں سُنا کرتا تھا اور اکثر میرے پاس خود آ کر سنا یا کرتے تھے اور یہ صرف ان کا جذبہ دین داری تھا ورنہ ایک سال سپہ سالار مامون طاہر بن الحسین الخزاعی حج کر کے کوفہ واپس آیا تو اس نے بار بار حسن بن علی بن فضال سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن انھوں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ حسن کی وفات ۲۲۴ھ میں واقع ہوئی ہے۔

۴۔ حسن بن محبوب السرّاد البجلی الکوفی

اپنے دور کے ارکان اربعہ اور اصحاب اجماع میں شمار ہوتے تھے۔ عام طور سے لوگ انھیں زرّاد کہتے تھے لیکن امام رضاؑ نے فرمایا کہ سرّاد کہا کرو کہ لفظ سرد زرہ سازی کے بارے میں قرآن میں استعمال ہوا ہے اور امت اسلامیہ کو الفاظ قرآن کو اہمیت دینا چاہیے۔

ان کے والد نے ان کی تربیت کا اس قدر اہتمام کیا تھا کہ علی بن رئاب کی ایک ایک حدیث حفظ کرنے پر ایک ایک درہم انعام دیا کرتے تھے۔ حسن بن محبوب کا انتقال ۲۲۴ھ کے اواخر میں تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں ہوا ہے۔

۵۔ زکریا بن آدم بن عبداللہ بن سعد اشعری قمیؒ

امام رضاؑ کے مخصوص اصحاب اور مقربین بارگاہ میں تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سے عرض کی کہ میں

اپنے گھر والوں سے الگ ہونا چاہتا ہوں کہ ان میں احمق بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ فرمایا ایسا ہرگز مت کرنا کہ رب العالمین تمھارے ذریعہ ان سے اسی طرح بلاؤں کو دفع کرتا ہے جس طرح کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی قبر کے طفیل میں اہل بغداد کی بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔

علی بن المسیب الہمدانی نے امام رضاؑ سے عرض کی کہ میری منزل بہت دور ہے اور میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا ہوں تو احکام دین کس سے حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا زکریا بن آدم قمی جو میری نظر میں دین و دنیا دونوں میں مامون و محفوظ ہیں۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ انھیں یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ ایک سال امام رضاؑ کے ساتھ حج میں گئے تو مدینہ سے مکہ تک حضرت کے ساتھ ایک ہی محمل میں سوار رہے۔ علامہ مجلسیؒ نے تاریخ قم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے اشعری خاندان کے بارے میں دعا فرمائی تھی کہ خدایا ان کے صغیر و کبیر کی مغفرت فرما۔

زکریا بن آدم کی قبر قم کے قبرستان شیخان کبیر میں مشہور ہے اور انھیں کے پہلو میں ان کے چچازاد بھائی زکریا بن ادریس بن عبداللہ بن سعد اشعری کی قبر ہے۔

۶۔ صفوان بن یحییٰ ابو محمد بجلی کوفی

اپنے دور کے معتبر ترین راویوں میں شمار ہوتے تھے۔ امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے اصحاب میں تھے بلکہ حضرت کے وکیل بھی تھے۔

علامہ کشی نے انھیں بھی اصحابِ اجماع میں شمار کیا ہے اور بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ صفوان عبداللہ بن جندب اور علی بن نعمان کے ساتھ شریک تجارت تھے اور تینوں حضرات پابندی کے ساتھ روزانہ ۵۱ رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے اور انھوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو بعد میں رہ جائے گا وہ دوسروں کی طرف سے بھی عمل کرے گا۔ چنانچہ صفوان اپنے دونوں ساتھیوں کے انتقال کے بعد روزانہ تین مرتبہ ۵۱ رکعت نماز پڑھتے تھے اور سال میں تین ماہ کے روزے رکھتے تھے اور اپنے مال کی زکوٰۃ تین مرتبہ ادا کرتے تھے اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کرایہ پر اونٹ لے کر کوفہ جا رہے تھے تو کسی شخص نے دو دینار کوفہ پہونچانے کے لیے دے دیے تو اس وقت تک اونٹ پر سوار نہیں ہوئے جب تک مالک سے اس قدر بار کے اضافہ کی اجازت نہیں لے لی۔ اگرچہ مومنین کرام کی حاجت برآری کا یہ جذبہ تھا کہ صاحب دینار

سے انکار بھی نہیں کیا کہ میں نہیں لے جا سکتا ہوں۔

صفوان نے امام صادقؑ کے اصحاب میں سے چالیس افراد سے روایت بیان کی ہے اور ۲۱۰ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا ہے جہاں امام جوادؑ نے کفن اور حنوط وغیرہ کا انتظام کیا اور اسماعیل بن موسیٰ کو حکم دیا کہ ان کی نماز جنازہ ادا کریں۔

۷۔ محمد بن اسماعیل بن بزیع

مرد ثقہ اور اخص اصحاب امام رضاؑ میں تھے۔ امام جوادؑ کا زمانہ بھی درک کیا ہے۔ ان کا شمار وزراء میں بھی ہوتا تھا اور علی بن نعمان نے ان کے بارے میں وصیت کی تھی کہ میری ساری کتابیں محمد بن اسماعیل بن بزیع کو دے دی جائیں۔ انھوں نے امام جوادؑ سے کفن کے واسطے پیراہن بھی طلب کیا تھا تو آپ نے اسے ارسال فرما دیا اور فرمایا کہ اس کے تکمہ نکال دیے جائیں۔ راہ مکہ میں مقام فَید میں انتقال فرمایا جس کے بارے میں محمد بن احمد بن یحییٰ اشعری کا بیان ہے کہ میں نے علی بن بلال کے ساتھ ان کی قبر کی زیارت کی تو انھوں نے ان کے حوالے سے امام رضاؑ کی یہ حدیث نقل کی کہ اگر کوئی شخص قبر پر ہاتھ رکھ کر سات مرتبہ سورہ انا انزلناہ پڑھ دے گا تو پڑھنے والا اور مُردہ دونوں ہول قیامت سے محفوظ ہو جائیں گے۔

محمد بن اسماعیل کی جلالت قدر کے بارے میں یہ واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ علامہ طباطبائیؒ بحر العلوم کے والد ماجد جناب سید مرتضیٰؒ نے علامہ کی ولادت کی رات خواب میں دیکھا تھا کہ امام رضاؑ نے محمد بن اسماعیل کو ایک شمع دے کر میرے گھر میں بھیجا ہے اور انھوں نے وہ شمع روشن کر دی تو ساری فضا منور ہو گئی۔

یقیناً علامہ بحر العلومؒ کا وجود ایک شمع فروزاں کی حیثیت رکھتا تھا جس نے پورے عالم علم و تقویٰ کو روشن اور منور کر دیا تھا لیکن یہ محمد بن اسماعیل کا مرتبہ تھا کہ اس شمع فروزاں کی بشارت دینے کے لیے امام رضاؑ نے ان کا وسیلہ اختیار فرمایا کہ گویا یہ شمع علم محمد بن اسماعیل کی روایات اور ان کے برکات کے واسطے سے روشن ہوگی اور یہ بات دونوں حضرات کے شرف و کمال اور فضل و اجلال کے لیے کافی ہے۔

۸۔ نصر بن قابوس

امام صادقؑ، امام کاظمؑ اور امام رضاؑ تینوں حضرات سے روایت نقل کی ہے اور ۲۰ سال تک

امام صادقؑ کے وکیل رہے ہیں۔ امام کاظمؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے اور ان سے امام رضاؑ کی امامت کی نص کی روایت کی ہے۔

● شیخ کشی نے ان کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک حجرہ تک لے گئے جہاں امام رضاؑ مشغول مطالعہ تھے اور فرمایا کہ نصر اس فرزند کو پہچانتے ہو؟ عرض کی کہ یہ علی بن موسیٰ الرضاؑ ہیں۔ فرمایا اور یہ کتاب؟ عرض کی آپ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ کتاب جفر ہے جسے صرف انبیاء اور اوصیاء پڑھ سکتے ہیں۔ جس کے بعد حضرت کی امامت کا یقین اور کامل ہو گیا۔

● دوسرے موقع پر نصر نے امام موسیٰ کاظمؑ سے عرض کی کہ میں نے آپ کے والد سے ان کے وصی کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انھوں نے آپ کا نام بتایا تھا۔ اب آپ کا وصی کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند علی بن موسیٰ۔!

اقوال حکیمانہ

۱۔ ہر شخص کا واقعی دوست اس کی عقل ہے اور اس کا واقعی دشمن اس کی جہالت ہے۔

(یقیناً عقل ہی ایک ایسا دوست ہے جسے نادان دوست نہیں کہا جا سکتا ہے اور جہالت ہی ایک ایسا دشمن ہے جسے دانا دشمن نہیں کہا جا سکتا ہے)۔

۲۔ پروردگار تین چیزوں کو سخت ناپسند کرتا ہے: بے جا بحث و مباحثہ، مال کا ضائع کرنا اور زیادہ سوال کرنا۔

(رسول اکرمؐ نے بھی فرمایا ہے کہ چار چیزوں سے دل کی موت واقع ہو جاتی ہے: مسلسل گناہ کرنا، عورتوں سے زیادہ گفتگو کرنا، احمق آدمی سے بحث و مباحثہ کرنا اور بدحواس دولت مند کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا)۔

۳۔ ہم اہلبیتؑ وعدہ کو ایک قرض سمجھتے ہیں اور اس کی ادائیگی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

(حقیقت امر یہ ہے کہ ہماری دنیا و آخرت کی تمام بھلائی اہلبیت طاہرینؑ کے وعدۂ دادرسی اور وعدۂ شفاعت سے وابستہ ہے اور اس یقین سے متعلق ہے کہ وہ وعدہ کے خلاف نہیں کر سکتے ہیں)۔

۴۔ ایک زمانہ آنے والا ہے جب عافیت کے نو حصے گوشہ نشینی میں ہوں گے اور ایک حصہ

سکوت میں ہوگا۔

(بے شک ایسا دور ہر انسان کی زندگی میں آسکتا ہے۔ لیکن انسان کا فرض ہے کہ گوشہ نشینی اور سکوت دونوں صورتوں میں اپنے فرائض سے غافل نہ رہے کہ فرائض کی ادائیگی عافیت طلبی سے بہر حال زیادہ ضروری ہے ورنہ جناب آدمؑ جنت ہی میں رہ جاتے اور آل محمدؐ عرش اعظم ہی پر رہ جاتے)۔

۵۔ کسی شخص نے دریافت کیا کہ فرزند رسولؐ! آپ نے کس عالم میں صبح کی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ چار مصیبتوں کے درمیان۔ عمر کم ہوتی جا رہی ہے، اعمال محفوظ ہوتے جا رہے ہیں، موت تعاقب میں لگی ہوئی ہے اور جہنم اپنی تاک میں ہے۔

(کاش ہم گناہ گاروں کو ان حقائق کا احساس ہو جاتا جن کی طرف امام معصومؑ نے توجہ دلائی ہے)۔

۶۔ بنی اسرائیل میں کوئی شخص اس وقت تک عابد نہیں شمار ہوتا تھا جب تک دس سال تک سکوت نہ اختیار کرے۔

(بے شک عابد بننے کے لیے سکوت ضروری ہے۔ لیکن عالم بننے کے لیے تکلّم بھی لازم ہے اور عالم کا مرتبہ بقول معصومینؑ عابد سے بہر حال بہتر ہے)۔

۷۔ جو انسان خدا کے مختصر رزق پر راضی ہو جاتا ہے خدا اس کے مختصر عمل پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔

(کاش انسان اس نکتہ کی طرف متوجہ ہو جاتا کہ جس طرح وہ خدا سے رزق کا مطالبہ کرتا ہے اسی طرح خدا نے اس سے عمل کا مطالبہ کیا ہے۔ تو اگر وہ کم رزق پر راضی نہیں ہوتا ہے تو خدا سے کس طرح تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس کے کم عمل پر راضی ہو جائے)۔

۸۔ دنیا کے تمام مصائب میں سب سے بڑی مصیبت علماء کی موت ہے۔

۹۔ روز عرفہ آپ نے سارا مال راہ خدا میں لٹا دیا تو فضل بن سہل نے اعتراض کیا کہ یہ تو ایک بڑا خسارہ ہے!۔ فرمایا کہ یہ خسارہ نہیں بلکہ فائدہ ہے۔ نقصان اسے نہیں کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں اجر و کرامت حاصل ہو جائے۔

۱۰۔ انسان خیر کے عالم میں ہو تو اسے مغرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ پروردگار سے برابر دعا کرنی چاہیے کہ خدایا! اس خیر کو سلامت رکھنا اور اسے منزل تمام و کمال تک پہونچا دینا۔

(در حقیقت ہر کار خیر ہمیشہ انھیں دونوں خطرات سے دوچار رہتا ہے۔ کبھی ریاکاری اور منت گزاری

وغیرہ کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے تو عمل صحیح و سالم نہیں رہ جاتا ہے اور اجر و ثواب کے بجائے عذاب و عقاب کا استحقاق پیدا کرا دیتا ہے اور کبھی اس جہت سے صحیح و سالم رہ جاتا ہے لیکن اس کے مکمل ہونے کی نوبت نہیں آتی ہے اور درمیان ہی میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ امام علی رضاؑ نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان اپنے کار خیر پر مغرور ہونے کے بجائے ان دونوں باتوں کی فکر کرے جن پر اجر و ثواب کا دارومدار ہے اور جن کے بغیر کوئی کار خیر، کار خیر کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ رب کریم ہر مرد مومن کو خیر کی توفیق دے اور پھر اس کو ہر عیب و نقص سے محفوظ رکھتے ہوئے درجہ تمام و کمال تک پہونچانے کی سعادت عنایت فرمائے۔!)

مسئلہ ولی عہدی

امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ اہمیت مسئلہ ولی عہدی کو حاصل ہے اسی لیے علماء اعلام نے عام طور سے اس مسئلہ کو قابل بحث قرار دیا ہے اور اس کے اسباب پر اجمالی یا تفصیلی طور پر روشنی ڈالی ہے۔

یہاں اس مقام پر بحث کے تفصیلات میں داخل ہونے سے پہلے ایک امر کی طرف توجہ دلانا بے حد ضروری ہے جس کو عام طور سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ معصومین علیہم السلام کی زندگیوں میں چند مواقع اور مراحل ہیں جن کے بارے میں دور قدیم سے بحث ہوتی چلی آرہی ہے اور آج تک اس سلسلہ کی بحث جاری ہے جب کہ ٹھیک اسی قسم کے دوسرے مسائل ہیں جن کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے حالانکہ ان کی اہمیت بھی زیر بحث مسائل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ، صلح امام حسنؑ، جنگ بندی صفین، تعدد ازواج امام حسنؑ، عدم قیام امام صادقؑ، ولی عہدی امام رضاؑ وغیرہ سے برابر بحث کی جاتی ہے اور اس کے متوازی مسائل غزوات پیغمبر اسلامؐ، قیام امام حسینؑ، مجاہدات مولائے کائنات جیسے مسائل کو اس قدر اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔ اور شاید اس کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ معصومینؑ کے بارے میں ایک عام عقیدہ تمام عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت میں یہ پایا جاتا ہے کہ یہ باطل سے برسرپیکار تو ہو سکتے ہیں لیکن باطل سے اتفاق رائے نہیں کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جہاں پیکار اور اختلاف کا ذکر آتا ہے وہاں بحث رک جاتی ہے کہ یہ کام مطابق اصول انجام پایا ہے

اور جہاں اتحاد و اتفاق کی بو آتی ہے وہاں بحث شروع ہو جاتی ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے کفار سے کیونکر صلح کر لی اور امام حسنؑ کا حاکم شام سے کس نقطہ پر اتفاق ہو گیا یا مولائے کائنات نے تحکیم کا فیصلہ کس طرح تسلیم کر لیا یا امام حسنؑ جیسے مرد باخدا نے متعدد شادیاں کس طرح کر لیں (بر فرض صحت روایت) یا امام جعفر صادقؑ نے حالات کے سازگار ہوتے ہوئے بھی اپنے حق کا اعلان کیوں نہیں کیا، یا امام علی رضاؑ نے ایک ظالم اور بے دین حکومت کا عہدہ کس طرح قبول کر لیا۔ اور یہ بات درحقیقت ائمہ طاہرینؑ کی عظمت کردار کی ایک نشانی ہے کہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ عام ہے کہ وہ باطل سے برسرپیکار ہو سکتے ہیں، ہم رنگ اور ہم آہنگ نہیں ہو سکتے ہیں اور خود امام رضاؑ نے بھی ولی عہدی کے موقع پر اسی نکتہ کو نگاہ میں رکھا تھا کہ اس سے وہ عام جذبہ یا عقیدہ مجروح ہوگا جو ہم اہلبیتؑ کے بارے میں پایا جاتا ہے اور جو واقعاً ہماری عصمت اور عظمت کا راز ہے۔ لہذا آپ نے ولی عہدی پانے کے فوراً بعد اظہار مسرت اور شکر خدا کرنے کے بجائے بارگاہ احدیت میں معذرت کی کہ پروردگار! جس طرح یوسفؑ نے حالات کے پیش نظر عزیز مصر کا عہدہ قبول کر لیا تھا اسی طرح میں نے اس ولی عہدی کو قبول کیا ہے ورنہ میں کسی ظالم کا عہدہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں اور یہ میرے امکان کی بات نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ولی عہدی کی بحث میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ مامون کے طرفدار ہیں تو انھیں مامون کے کردار کی صفائی دینا ہے اور بعض لوگ امام رضاؑ کے عقیدتمند ہیں تو انھیں امامؑ کے اقدام کی بنیاد تلاش کرنا ہے۔

مامون پرست لوگوں میں عصر حاضر کے مشہور مؤرخ احمد امین وغیرہ نے اس واقعہ کے بعض اسباب کو یوں واضح کیا ہے کہ:

ا۔ مامون امام رضاؑ کو منظر عام پر لا کر ان کی حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا کہ ائمہ اہلبیتؑ سماج سے الگ رہتے ہیں تو ان کے چاہنے والوں کو ان کی عظمت و عصمت اور ان کے تقویٰ اور تقدس کے بارے میں پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ان کی شخصیت کو بے مثل و بے نظیر بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ مامون نے چاہا کہ انھیں منظر عام پر لے آیا جائے تا کہ لوگ ان کی حقیقت سے باخبر ہو جائیں اور انھیں بھی اندازہ ہو جائے کہ نظام حکومت سنبھالنے کے بعد انسان اس تقدس کی زندگی

نہیں گذار سکتا ہے۔

۲۔ فضل بن سہل جیسے افراد خراسانی ہونے کی بنا پر امام رضاؑ اور عام اہلبیتؑ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور مامون کو یہ خطرہ تھا کہ یہ افراد کسی وقت بھی بغاوت کر سکتے ہیں۔ لہذا انھیں خوش کرنے کے لیے امام رضاؑ کو ولی عہدی کا عہدہ دے دیا گیا۔

۳۔ مامون معتزلی عقیدہ کا آدمی تھا اور اعتزال بڑی حد تک تشیع سے قریب تر ہے لہذا اس کے افکار میں تشیع سرایت کر گیا اور اس نے امام الشیعہ کو ولی عہد مملکت بنا دیا۔

اس کے بعد خود مامون کے تشیع پر حسب ذیل دلائل قائم کیے گئے ہیں:

ا۔ مامون حضرت علیؑ کی افضلیت کا قائل تھا اور وہ اس سلسلہ سے لوگوں سے بحث بھی کیا کرتا تھا۔

ب۔ مامون امام رضاؑ سے لوگوں کے مناظرے کراتا رہتا تھا تاکہ ان کا فضل و شرف ظاہر ہو سکے اور لوگ ائمہ اہلبیتؑ کی افضلیت کے قائل ہو جائیں اور اسی بنیاد پر کمسنی کے باوجود امام محمد تقیؑ کا مناظرہ یحییٰ بن اکثم جیسے شہرہ آفاق عالم اور قاضی سے کرا دیا۔

ج۔ مامون قرآن کو مخلوق تسلیم کرتا تھا اور یہی ائمہ اہلبیتؑ کا عقیدہ تھا۔

د۔ مامون متعہ کو جائز سمجھتا تھا اور یہ بات مذہب شیعہ کے خصوصیات میں ہے۔

ہ۔ مامون نے فدک کی واپسی کا اعلان کر دیا تھا جو فدک کے حق زہراؑ تسلیم کرنے اور خلیفۂ اول کے غصب کرنے کے مترادف تھا۔

و۔ مامون نے ایک بیٹی کا عقد امام رضاؑ سے کر دیا اور دوسری کا عقد امام جوادؑ سے کر دیا جو اس بات کی علامت ہے کہ اسے ائمہ اہلبیتؑ سے خاص عقیدت حاصل تھی۔

ان دلائل کے تفصیلی جائزے کے لیے ایک مکمل کتاب درکار ہے۔ اجمالی طور پر صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ مامون کی طرف سے ولی عہدی کی پیش کش خود تشیع کی بنیاد کے خلاف ہے کہ تشیع ائمہ طاہرینؑ کی حکومت اور مولائیت کے اعتراف کا نام ہے۔ تشیع میں دوسرے کے حاکم اور ان کے ولی عہد ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو خود امام رضاؑ نے بھی فرمائی تھی کہ یہ عہدہ تجھے خدا نے دیا ہے تو دوسرے کو دینے کا حق نہیں ہے اور بندوں سے ملا ہے تو میرے لینے کا کوئی جواز نہیں ہے

اس لیے کہ میں بندوں کو اس امر کا مجاز نہیں سمجھتا۔ اور اس کے بعد جب تک مامون نے مجبور نہیں کیا اور قتل کا اشارہ نہیں دیا اس وقت تک آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

مناظروں کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے مامون اپنے فضل و شرف کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ میرے دربار میں ایسے ایسے افراد پائے جاتے ہیں اور اس کا امام رضاؑ کے فضل و شرف سے کوئی تعلق نہیں ہے، ورنہ اس فضل و شرف کے اعتراف کا واقعی ماحصل تو یہ تھا کہ خود دستبردار ہو کر حق کو حق دار کے حوالے کر دیتا۔

خلق قرآن یا متعہ کا مسئلہ اصل تشیع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ ایسے جزئی مسائل میں دو مذاہب کے افراد میں اتفاق رائے ہو سکتا ہے جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ متعہ کو وہ افراد بھی جائز جانتے تھے جن کا مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور آج بھی رسل جیسے لوگ اگر اسے زندگی کے مسائل کا لازمی حل قرار دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے مذہب شیعہ قبول کر لیا ہے۔ مذہب شیعہ ایک مکمل مذہب ہے۔ اس کا ایک دو احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مامون جیسے افراد نے تو ان مسائل کو بھی صرف عوام کی توجہ کو سیاسی مسائل کی طرف سے ہٹانے کے لیے ایجاد کیا تھا ورنہ عوام کو ان مسائل سے کیا تعلق ہے اور ان میں قرآن کے مخلوق یا قدیم ہونے کے بنیادی فرق کے محسوس کرنے کی کس قدر صلاحیت پائی جاتی ہے اس کا اندازہ ہر صاحب علم و اطلاع کر سکتا ہے۔

تزویج کے مسئلہ کا بھی عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی صورت حال تمام تر سیاسی ہے جس کی مثالیں سرکار دو عالمؐ کی زندگی میں بھی مل سکتی ہیں کہ ابوسفیان کی بیٹی کا عقد حضور اکرمؐ سے اس وقت ہوا تھا جب وہ واضح طور پر کفر کی صفوں میں شامل تھا اور کسی نفاق کا بھی سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا۔

پھر ایک گھر کی دو بیٹیوں کا باپ اور بیٹے سے عقد کرنا اور وہ بھی سن و سال کے بے پناہ تفاوت کے ساتھ یا شادی کی عمر کا لحاظ کیے بغیر خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اقدام ایک سیاسی حیثیت کا مالک ہے اور اس کا عقیدہ یا عقیدت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ فدک کا اٹھانا بھی ایک سیاسی اقدام تھا ورنہ اسے امام کی احقیت کا خیال ہوتا تو امام

رضاؑ کے بعد امام جوادؑ کے ولی عہد مملکت ہونے کا اعلان کرتا جب کہ ایسا کچھ نہیں ہوا اور حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ خود امام رضاؑ ہی کا وجود برداشت نہ ہو سکا۔ امام جوادؑ کے بارے میں ایسی فکر کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہاں زہر دینے کے جرم کی پردہ پوشی کرنے کے لیے فرزند کو داماد ضرور بنا لیا گیا — جو دور قدیم سے تاریخ میں ہوتا چلا آ رہا تھا اور ظالم اپنے ظلم اور اپنی شقاوت کی پردہ پوشی کے لیے بڑی شخصیتوں کو اپنا داماد بنا لیا کرتے تھے اور اس طرح عوام کو کھلا ہوا دھوکہ دیا کرتے تھے۔

فضل بن سہل کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس نے اپنے امکان بھر مامون کو اس اقدام سے روکا تھا اور اس کے محرک ولی عہدی ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

حقیقی اسباب ولی عہدی

بات صرف یہ ہے کہ حالات نے مامون کو اس موڑ پر پہونچا دیا تھا جہاں بنی ہاشم کا راضی کرنا ضروری ہو گیا تھا اور امام رضاؑ کی شخصیت کا سہارا لیے بغیر اس کا زندہ رہنا مشکل ہو گیا تھا اس لیے اس نے اس قسم کا سیاسی قدم اٹھایا اور اس کے حسب ذیل اسباب محرک قرار پائے:

۱۔ امام رضاؑ کو اپنے زیر نظر رکھا جائے تاکہ عوام سے زیادہ قریب نہ ہونے پائیں اور اس طرح ان کی عوامی شخصیت کے خطرہ سے اپنا تحفظ کر لیا جائے ورنہ ان کی شخصیت کسی وقت بھی حکومت کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور امامؑ نے ولی عہدی سے فائدہ اٹھا کر عوامی رابطہ بڑھایا اور اس سے بہت کچھ فائدہ حاصل کر لیا جس کی تفصیل نتائج ولی عہدی کے ذیل میں بیان کی جائے گی۔

۲۔ امامؑ کی ملاقاتوں کو دشوار تر بنا دیا جائے تاکہ ان کے علوم و احکام کی اشاعت نہ ہو سکے جو ہر دور کے حکام جور کا اہل علم کے ساتھ برتاؤ رہا ہے کہ بظاہر اعزاز و احترام کے نام پر عوام سے رابطہ توڑ دیا جائے اور عوام کو ان کے صحیح نظریات و تعلیمات سے آگاہ نہ ہونے دیا جائے اور اس طرح حکومت کو ان کے تعلیمات کی خود ساختہ ترجمانی کا موقع مل جائے۔

۳۔ عوام میں امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے زیر اثر پیدا ہونے والے جذبات کا علاج کیا جائے کہ حکومت اہلبیتؑ کی دشمن نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ہاتھ امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت میں ہے۔

۴۔ امام رضاؑ کی وزارت سے حکومت کی عظمت میں اضافہ کیا جائے کہ جس دربار کے وزراء میں امام رضاؑ جیسے افراد شامل ہوں اس کے سلطان وقت کی صلاحیتوں کا کیا عالم ہوگا اور اس حکومت کو کس طرح غیر شرعی کہا جا سکتا ہے جس کی وزارت کا کام فرزند رسولؐ حضرت علیؑ بن موسیٰؑ انجام دے رہے ہوں۔

۵۔ عوام کے خیالات کو ایک نئے موضوع کی طرف موڑ دیا جائے اور ہر گھر میں ایک نئی بحث ایجاد کر دی جائے جس کا تصور بھی قوم کے ذہن میں کبھی نہ رہا ہو اور اس طرح بہت سے بنیادی مسائل کی طرف سے عوام کی توجہ ہٹا دی جائے جن سے حکومت کو سخت قسم کے سیاسی خطرات لاحق ہیں۔

۶۔ عوام میں یہ احساس پیدا کرا دیا جائے کہ حکومت مصالح امت کے بارے میں اس قدر مخلص ہے کہ اپنے بھائی کو قتل کرا کے باہر کے افراد کو ولی عہد بنانے کے لیے تیار ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مامون اپنے گھر میں حکومت نہیں رکھنا چاہتا ہے۔ امت اور ملت کو فائدہ پہونچانا چاہتا ہے، چاہے وہ گھر کے افراد سے حاصل ہو یا باہر کے افراد سے۔

۷۔ علویین کی طرف سے اٹھنے والی انقلابی آوازوں اور تحریکوں کا دبانا اس امر پر موقوف ہو گیا تھا کہ ان کے سربراہ کو حکومت میں شامل کر لیا جائے اور انھیں یہ باور کرا دیا جائے کہ حکومت نے اپنا طرز عمل تبدیل کر دیا ہے اور اب وہ انھیں ان کا مکمل حق دینے کے لیے تیار ہے لہٰذا انھیں کسی قسم کے اقدام کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بعد ان کا ہر اقدام خود ان کی نفسانیت اور جاہ طلبی پر محمول کر دیا جائے۔

۸۔ مامون کے ذہن میں یہ خیال بھی تھا کہ وہ کسی قدر اقتدار کا مالک کیوں نہ ہو جائے اور اس کی حکومت میں کسی قدر وسعت کیوں نہ پیدا ہو جائے۔ حکومت کی شرعی حیثیت بہرحال اس بات پر موقوف ہے کہ رسول اکرمؐ کے خاندان کی عظیم ترین شخصیت اس حکومت کی تائید کرے۔ اور وہ نظام حکومت میں شامل ہو جائے ورنہ فرزند رسول اکرمؐ کی تائید کے بغیر کوئی اس حکومت کو صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کہنے کے لیے تیار نہ ہوگا اور مامون کی دلی خواہش یہی تھی کہ اس کی حکومت کو شرعی حکومت کہا جائے۔ وہ اُس قسم کا عیاش اور اوباش بادشاہ نہیں تھا جو بہرحال کرسی پر قابض رہنا

چاہتا ہو چاہے اس کی حیثیت کتنی ہی غیر شرعی کیوں نہ ہو کہ اس طرح کی حکومت کسی وقت بھی اسلامی جذبات کا شکار ہو سکتی ہے اور یہ احساس درحقیقت وہی احساس تھا جو ابتدا سے خلفاء اسلام کے ذہن میں رہا ہے اور جس کی بنا پر مولائے کائنات اور امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس کے بغیر حکومت شرعی کہے جانے کے قابل نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے والوں نے بیعت کا مطالبہ کیا تھا اور وہ اس کا حشر دیکھ چکے تھے اس لیے مامون نے اس مطالبہ کو ایک حسین شکل دے دی کہ انھیں غلام بنانے کے بجائے حاکم یا شریک حکومت بنا لیا جائے کہ اس طرح مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور آلِ رسولؐ کو غلام بنانے کا الزام بھی عائد نہیں ہوگا۔

امام علی رضاؑ نے اسی نکتہ کے پیش نظر ولی عہدی میں یہ شرط رکھ دی تھی کہ میں امورِ مملکت میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کروں گا اور کوئی کام میرے نام پر نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ مجھ سے کوئی مشورہ لیا جائے گا تو میں صحیح مشورہ ضرور دوں گا کہ یہ تاریخ امامت میں ہر علیؑ کا طریقہ کار رہا ہے اور اس اصول حیات سے کوئی بھی متدین انسان انحراف نہیں کر سکتا ہے۔ شخصیت سے اختلاف الگ ایک چیز ہے اور اسلامی مقاصد کا تحفظ ایک الگ چیز ہے۔ پہلے محاذ پر تائید خلاف شرع ہو سکتی ہے لیکن دوسرے محاذ پر تائید عین اسلام اور عین تدین ہے۔

۹۔ مامون بنی فاطمہؑ کو حکومت میں شریک کر کے ایک طرف اپنی حکومت کو علویین کے انقلابات اور ان کے احتجاجی اقدامات سے بچانا چاہتا تھا اور دوسری طرف بنی عباس کے خون کا تحفظ کرنا چاہتا تھا کہ ملک میں احتجاجی تحریکات تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور علویین کے انقلابات روز افزوں ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ اس طرح اگر اختلاف برقرار رہا تو بنی عباس حکومت کی حمایت کرنے پر مجبور ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں علویین کی تلواروں کا نشانہ بن جائیں گے اس لیے کہ ہر شخص سرکاری حفاظتی انتظامات میں نہیں رکھا جا سکتا ہے اور ہر شخص کے لیے حفاظتی دستے نہیں فراہم کیے جا سکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنے دفاع کی طاقت رکھتا ہے۔

۱۰۔ مامون بنی عباس کو بھی متوجہ کر دینا چاہتا تھا کہ اگر امین کی حمایت کے نام پر کوئی آواز اٹھائی گئی اور آپس میں اختلاف پیدا کیا گیا تو میں علویین کو اپنے ساتھ لے کر ان کا قلع قمع بھی کر سکتا ہوں اور آخر میں حکومت علویین کے حوالے بھی کر سکتا ہوں جس کے بعد بنی عباس قیامت تک اقتدار

کے خواب ہی دیکھتے رہیں گے۔

ان تمام اسباب کے پیش نظر مامون نے یہ طے کر لیا کہ امام علی رضاؑ کو حکومت میں شامل کر لیا جائے اور بیک وقت ان تمام فوائد کو حاصل کر لیا جائے اور اسی بنیاد پر اس نے امام رضاؑ کو مدینہ سے مرو طلب کیا۔ امام علیہ السلام بھی ان تمام سرکاری مصالح سے بخوبی واقف تھے اور آپ کسی قیمت پر نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے کسی عمل سے بھی کسی ظالم کو ادنیٰ فائدہ پہونچ سکے کہ اس طرح اپنا شمار بھی ظالموں کے معاونوں اور مددگاروں میں ہو جائے گا جس کی جواب دہی روز قیامت انتہائی شدید ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی "مکروا ومکر اللہ" کی پالیسی کے پیش نظر اپنا لائحۂ عمل طے کر لیا اور یہ چاہا کہ جس راستہ سے ظالم وار کرنا چاہتا ہے اسی راستہ سے اس کے مکر کو اس کی گردن پر ڈال دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے سفر تو منظور کر لیا لیکن اس سفر کا پہلا فائدہ یہ قرار دیا کہ تمام راستہ میں اپنے کمالات اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کو واضح کرتے رہے تاکہ امت پر اتمام حجت بھی ہوتا رہے اور اسلام کی تبلیغ کا کام بھی انجام پاتا رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ذاتی اور انفرادی قسم کے سفر میں نہیں ہو سکتی تھی اس لیے کہ عوام الناس کسی دور میں بھی کمال کے پرستار نہیں ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اقتدار کے پرستار ہوتے ہیں اور اہل اقتدار ہی کی روش پر نظر رکھتے ہیں۔ نااہل انسان بھی نظام حکومت میں شامل ہو جائے تو سڑکوں پر اس کے مشتاقانِ دید کی بھیڑ لگ جاتی ہے، گیٹ بنائے جاتے ہیں، جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں، نعرے لکھے جاتے ہیں اور اہل انسان محفل میں بھی داخل ہو جائے تو کوئی مڑ کر دیکھنا گوارا نہیں کرتا ہے۔ امام رضاؑ ان تمام حقائق اور حالات سے خوب واقف تھے اس لیے آپ نے سفر ولی عہدی کو بہترین موقع تصور کیا۔ مذہب کے حقائق کو عام کرنے اور امت کو اپنی صلاحیت اور اپنے کمالات و کرامات سے آگاہ کرنے کا۔ چنانچہ آپ نے سفر کے دوران حسب ذیل کمالات و کرامات کا مظاہرہ فرمایا جن کی مثال شائد انفرادی سفر میں نہ مل سکتی۔ لیکن اس سرکاری سفر میں ان حقائق کا اظہار ضروری تھا لہٰذا آپ نے اپنے فریضۂ شرعی میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اور نہ کسی تکلف اور انکسار سے کام لیا۔ انکسار کی جگہ ذاتی اخلاق ہے۔ مذہبی احکام و تبلیغات میں انکسار سے کام نہیں لیا جا سکتا ہے۔

● ا۔ آپ نیشاپور پہونچے تو بے شمار افراد اشتیاق زیارت میں جمع ہو گئے اور ۲۴ ہزار محدثین اقلم و دوات لے کر آ گئے کہ آپ سے حدیث سُن کر نقل کریں گے۔ اوّلاً آپ سے زیارت کا مطالبہ کیا گیا اور آپ نے پردۂ محمل ہٹا دیا تو مجمع نے زیارت کی اور شور گریہ بلند ہو گیا۔ گویا قوم نے سرکار دو عالمؐ کا جمال پر بہار

دیکھ لیا۔ زیارت کے بعد حدیث کا تقاضا کیا گیا تو آپ نے اپنے آبا و اجداد کے حوالے سے رب العالمین کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا کہ "کلمہ لا الٰہ الا اللہ میرا ایک قلعہ ہے اور جو اس قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔"

اس طرح ایک طرف تو اسلام کے بنیادی مسئلہ اور اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا کہ نجات کا واحد راستہ قلعہ توحید میں داخل ہو جانا ہے۔ شرک میں بہرحال نجات نہیں ہے چاہے اس کا تعلق بتوں سے ہو یا شخصیتوں سے یا درہم و دینار سے اور اس کے بعد اس حقیقت کا بھی اعلان فرمایا کہ یہ کلمہ بھی تنہا نجات کا ضامن نہیں ہے اس کے بھی اپنے کچھ شرائط ہیں جن میں سے ایک میں بھی ہوں، اور اس طرح اصول اسلام کا مکمل اعلان فرما دیا کہ اول مرحلہ پر توحید ہے اور اس کے بعد شرطہا میں نبوت ہے اور اس کے بعد "شروطہا" میں امامت ہے جس کی ایک فرد میں بھی ہوں کہ اس سلسلہ پر ایمان اختیار کیے بغیر نجات کا کوئی امکان نہیں ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کسی اخروی فائدہ کا وسیلہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا اعلان ایک ایسی شخصیت کی طرف سے جسے ولی عہد مملکت بنایا جا رہا ہے سرکاری اعتبار سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور امام علیہ السلام نے راستہ ہی میں واضح کر دیا کہ میری امامت کے اقرار کے بغیر کوئی اسلام مکمل نہیں ہے چاہے امت اور عوام کے دل میں ہو یا حکام اور خلفاء اسلام کے دل میں۔

دوسری طرف امامؑ نے قوم پر یہ بھی واضح کر دیا کہ میرے اسلامی معلومات ان راویوں کے ممنون کرم نہیں ہیں جن پر امت نے اعتماد کیا ہے اور جن کے ذریعہ قوم نے اسلامی احکام حاصل کیے ہیں، اس لیے کہ یہ تمام راوی غیر معصوم ہیں اور ان میں بہرحال خطا اور غلطی کا امکان پایا جاتا ہے۔ میرا سلسلہ، عصمت کا سلسلہ ہے جو میرے آبا و اجداد کا سلسلہ ہے، اور اس کی انتہا سرکار دو عالمؐ پر اور پھر ان کے ذریعہ جبریل و میکائیل، لوح و قلم سے گزرتا ہوا رب العالمین تک پہونچ جاتا ہے، اور ایسے سلسلہ کے ہوتے ہوئے انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ قوم ایک غیر معصوم سلسلہ روایت پر اعتماد کرے اور معصوم سلسلہ کو نظر انداز کر دے۔

● ب۔ خراسان پہونچ کر آپ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ قوم کے پاس پانی موجود نہیں تھا تو آپ نے ایک چشمہ جاری فرما دیا جس کا سلسلہ مدتوں تک جاری رہا۔ اور یہ بھی قوم کے لیے ایک

انتباہ تھا کہ ایسی صاحب کرامت شخصیت کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص اسلامی حکومت واقتدار کا اہل نہیں ہوسکتا ہے۔

● ج۔ شہر طوس میں نزول اجلال فرمایا تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ سنگ تراشی کا کام کررہے ہیں اور انھیں پتھر توڑنے میں بے حد زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو آپ نے رب العالمین کی بارگاہ میں التماس کی اور پتھر نرم ہوگیا جس کے بعد قوم کے کاروبار میں سہولت ہوگئی اور آپ کی کرامت نقش کالحجر بن گئی۔

● د۔ قریہ سناباد میں قبر ہارون کے قریب جاکر ایک خط کھینچ کر فرمایا کہ یہ میری قبر کی جگہ ہے اور وہاں نماز بھی ادا فرمائی اور قوم پر واضح فرمادیا کہ رب العالمین نے مجھے علم غیب سے بھی نوازا ہے اور میں مستقبل کے حالات سے بھی باخبر ہوں۔ میرے لیے کوئی شے پردۂ راز میں نہیں ہے اور میرا قیاس مامون جیسے افراد پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔

● ھ۔ مرو وارد ہونے کے بعد مامون نے حکومت پیش کی، آپ نے انکار فرمادیا کہ کوئی بھی عالی حکومت کا خواہش مند نہیں ہوتا ہے اور دنیا کے ہر اقتدار سے بے نیاز ہی رہتا ہے۔ اس کے بعد اس نے ولی عہدی کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا کہ جسے حکومت پسند نہیں ہے وہ ولی عہدی کو لے کر کیا کرے گا لیکن اس نے کہا کہ اسے تو قبول کرنا ہی پڑے گا۔ تو آپ نے حالات کے خطرہ کو دیکھ کر رضامندی کا اظہار فرمادیا اور اس موقع پر دو تین حقائق کا اعلان بھی فرمادیا:

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں امور حکومت میں دخل نہیں دوں گا اور نصب و عزل کی ساری ذمہ داری خود مامون پر ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی مشورہ لیا جائے گا تو مشورہ ضرور دوں گا تاکہ حکومت مجھے کنارہ کش قرار دے کر مشوروں سے بے نیاز نہ بن جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ولی عہدی کی ایک تحریر بھی ہونی چاہیے جس کا مضمون یہ ہوگا کہ چوں کہ مامون نے ان حقوق کو تسلیم کرلیا ہے جن کا اقرار اس کے آباء و اجداد نے نہیں کیا تھا لہذا میں ولیعہدی کو قبول کیے لیتا ہوں اگرچہ علم جفر و جامعہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ امر منزل اتمام کو نہیں پہونچ سکتا۔ اس دستاویز پر آپ نے فضل بن سہل، یحییٰ بن اکثم، عبداللہ بن طاہر، ثمامہ، بشر بن معتمر اور حماد بن

نعمان جیسے نمایاں افراد سے دستخط بھی کرلیے۔ (نورالابصار)

● و۔ ۷ر رمضان ۲۰۱ھ کو جلسہ ولی عہدی منعقد ہوا۔ ۲۲ ہزار افراد نے امام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حکومت کا لباس بنی ہاشم کے احترام میں سبز کردیا گیا، سکہ پر امام علی رضاؑ کا نام کندہ کرادیا گیا، مامون نے ام حبیب کا عقد امامؑ سے کردیا اور اس طرح ولی عہدی کو ہر نہج سے مستحکم بنادیا اور کوئی سیاسی حربہ اس کے استحکام کے بارے میں نظر انداز نہیں کیا اور امامؑ بھی اس بات پر مطمئن رہے کہ اس طرح قوم پر میری عظمت کا اظہار ہو رہا ہے اور لوگ حق و باطل کو نہایت واضح طور پر پہچان سکتے ہیں۔

● ز۔ ولی عہدی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ امامؑ کی آمد و رفت دربار میں شروع ہوگئی اور آپ جب بھی آتے دربان نہایت درجہ احترام سے پیش آتے اور پردہ اٹھا کر امامؑ کو اندر لے آتے۔ لیکن ایک دن بنی عباس نے طے کیا کہ ان کا احترام نہ کیا جائے گا ورنہ لوگ تمام تر علویین کے ساتھ ہوجائیں گے چنانچہ اب جو حضرت تشریف لے آئے تو کسی نے حجاب دراٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ اُدھر قدرت نے یہ انتظام کیا کہ ایک تیز ہوا چلی اور پردہ خود بخود اُٹھ گیا، آپ اندر داخل ہوگئے۔ اور باہر جاتے وقت پھر دوبارہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس سے قوم پر پھر نئے سرے سے حجت تمام ہوگئی اور سب مثل سابق خدمت پر آمادہ ہوگئے۔ (شواہد النبوۃ)

● ح۔ چند دنوں کے بعد عید کا موقع آگیا۔ مامون نے ولی عہدی کو مزید واضح کرنے کے لیے حضرت سے نماز عید پڑھانے کی خواہش کی۔ آپ تیار ہوگئے اور بیت الشرف سے بالکل اُس انداز سے برآمد ہوئے جس طرح سرکار دو عالمؐ برآمد ہوا کرتے تھے۔ نہایت سادگی کا انداز، بندگی پروردگار کا عزم نمایاں، تکبیر کی آواز زبان مبارک پر اور آپ کی آواز پر در و دیوار سے تکبیروں کی آواز۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شور محشر بپا ہوگیا اور فضل بن سہل نے فوراً مامون کو اطلاع دی کہ اگر آج نماز اور خطبہ مکمل ہوگیا تو حکومت تیرے ہاتھ سے نکل جائے گی اور مامون نے فوراً کہلا بھیجا کہ فرزند رسولؐ آپ کو بہت زحمت ہو رہی ہے آپ واپس تشریف لے آئیں، میں نماز پڑھادوں گا۔ امامؑ واپس چلے آئے لیکن ولی عہدی کا واقعی فائدہ حاصل ہوگیا کہ اس کے طفیل در دولت پر مسلمان جمع ہوگئے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے سرکار دو عالمؐ کا انداز بندگی دیکھ لیا جس کے بعد یہ موازنہ

انتہائی آسان ہوگیا کہ اہل سیاست کا طرز بندگی کیا ہوتا ہے اور اہل دین و مذہب کا طریقۂ عبادت کیا ہوتا ہے۔

● ط۔ ولی عہدی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مامون دربار میں آنے والے مختلف مذاہب کے علماء سے مناظرہ کرنے لگا اور ہر موقع پر حضرت کو طلب کرنے لگا کہ آپ ان لوگوں کے جوابات عنایت فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے کبھی جاثلیق عالم نصاریٰ سے مناظرہ فرمایا اور کبھی راس الجالوت عالم یہود سے اور کبھی عالم مجوس سے اور سب کو شکست دے کر اسلامی تعلیمات و عقائد کا تحفظ بھی کیا اور قوم پر یہ بھی واضح کر دیا کہ تخت و تاج پر قبضہ کر لینا آسان ہے لیکن بساطِ علم و فضل پر قدم رکھنا آسان نہیں ہے۔ یہ صرف علیؑ کا حصہ ہے جو روز ازل سے قدرت نے ان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور ان کا کام امت کی مشکل کشائی اور اسلام کے وقار کا تحفظ ہے۔

● ی۔ دربار میں آمد و رفت کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ایک مرتبہ ملک میں قحط پڑا تو عالم نے مجبور ہو کر آپ کو دعا کے لیے طلب کیا۔ آپ نے دعا فرمائی اور بارش ہوگئی تو بنی عباس آگ بگولہ ہو گئے کہ اگر روزانہ اسی طرح ان کے فضل و شرف کا اظہار ہوتا رہا تو بنی عباس کی جگہ کہاں رہ جائے گی۔ چنانچہ حمید بن مہران نامی ایک شخص نے طے کر لیا کہ حضرت کی توہین کرے گا۔ چنانچہ اس مرتبہ آپ دربار میں داخل ہوئے تو اس نے گستاخانہ انداز سے کہا کہ آجکل لوگ آپ کو صاحبِ کرامت کہہ رہے ہیں اور آپ کے بارے میں طرح طرح کے فضائل نشر کیے جا رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض افراد تو یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ پانی برسا دیتے ہیں، آخر ان کرامات کی انتہا کہاں ہوگی؟

آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی سے ایسے امور کی نشر و اشاعت کے بارے میں نہیں کہا ہے اور نہ میں اس طرح سے شخصیت بنانا چاہتا ہوں اور یہ بارش بھی فضل خداوندی سے ہوئی ہے۔ یاد رہے بات ہے کہ دعا میں نے کی تھی جو بندہ کا کام ہے۔ اس کے بعد پروردگار نے اسے قبول کر لیا ہے تو یہ اس کا فضل و کرم ہے۔ میں اس کے فضل و کرم کو تو نہیں روک سکتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ کو صاحبِ کرامت ہونے کا خیال ہے تو اس قالین کے شیر کو حکم دیں کہ وہ مجسم ہو کر مجھے کھا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں ہے لیکن تیرا یہی حوصلہ ہے تو میں یہ بھی کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر شیر کی طرف اشارہ فرمایا۔ قالین کے دونوں شیر مجسم ہو گئے اور اس ظالم کا خاتمہ کر دیا۔ مامون یہ دیکھ کر بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو اس نے عرض کی کہ

فرزندِ رسولؐ! اب شیر کو واپس کر دیجیے۔ آپ نے پھر حکم دیا اور شیر تصویر کی صورت میں قالین کی طرف واپس ہو گیا۔ (شرح عیون اخبار الرضا)

اس واقعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام علیہ السلام نے ولی عہدی کو اظہار حقائق کا بہترین وسیلہ قرار دے لیا تھا اور اس سلسلہ میں کوئی موقع فرو گزاشت نہیں فرماتے تھے۔ شیر قالین کو حکم دے کر اور حمید کا خاتمہ کرا کے آپ نے مامون پر واضح کر دیا تو نے ابھی تک مجھے پہچانا نہیں ہے، میں ایک موسیٰ کا فرزند ہوں اور موسیٰ کے سامنے کسی فرعون کا کوئی حربہ چلنے والا نہیں ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم ہے کہ جب فرعون نے سارے شہر کے جادوگر اکٹھا کر لیے تھے اور ان کے ذریعہ جناب موسیٰ کا مقابلہ کرنا چاہا تھا، تو موسیٰؑ نے ایک عصا سے سارے سانپوں کا خاتمہ کر دیا تھا اور فرعون کے اقتدار کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا۔ اب میں ایک موسیٰ کا وارث ہوں۔ میرا باپ بھی موسیٰ بن جعفرؑ ہے، اور میرے جد بزرگوار رسول اکرمؐ نے بھی اپنے کو ایک موسیٰ قرار دیا ہے، لہٰذا میرے سامنے کسی فرعون کا اقتدار یا کسی سامری کا جادو نہیں چل سکتا ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے اس ولی عہدی کو قبول نہ فرمایا ہوتا تو ان فوائد کا حاصل کرنا ناممکن تھا اور اگر ان میں سے کوئی واقعہ پیش آ بھی جاتا تو خود حکومت اور اس کے کارندے اس کی پردہ پوشی کرتے اور کسی کو نہ ان کمالات و کرامات کا اندازہ ہو سکتا اور نہ ان بیانات اور تعلیمات کی اطلاع ہو سکتی۔ ولی عہدی کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوا کہ جس سے پردہ پوشی کا خطرہ تھا اسی نے نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا کہ اب یہ امام علی رضاؑ کے کرامات کا اعلان نہیں ہے ایک ولی عہد مملکت کے کرامات از خلیفۃ المسلمین کے حسن انتخاب کا اعلان ہے اور اس کی اشاعت بہرحال حکومت کی ذمہ داری ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جو کام امام حسنؑ نے معاویہ بن ابی سفیان کو حکومت دے کر لیا تھا کہ چور کو پہرہ دار بنا دیا تھا۔ وہی کام امام علی رضاؑ نے ولی عہدی کو لے کر انجام دیا ہے کہ مخالف طاقت ہی کو فضائل و کمالات اور احکام و تعلیمات کے نشر و اشاعت کا ذریعہ بنا دیا جائے۔ اور یہ امامت کی مخصوص سیاست الٰہیہ ہے جس کا مطالعہ کرنا، اس پر غور و فکر کرنا اور اس کے اسرار و رموز کا پتہ لگانا ہر صاحبِ بصیرت کی ذمہ داری ہے تاکہ صحیح اسلامی اقدامات و تحریکات کا اندازہ کیا جا سکے۔
